ماہنامہ

حکمت بالغہ

اگست 2010

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: http://hamditabligh.net

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات ۳
حرفِ آرزُو
آبادی میں شرح افزائش کی رُو بہ زوال کمی
پوری قوم کو فنا کر کے رکھ دے گی ۵
مکالمہ بین المذاہب ۹
روزہ اور قرآن کی شفاعت ۲۵
رمضان کی آمد پر رسُول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ ۲۶
ارباب مدارس کے لئے چند قابل غور امور ۲۹
صہیونیت کیا ہے؟ ۳۹
توہین رسالت ﷺ کے خلاف ردعمل
کو مؤثر کیسے بنایا جائے؟ ۴۵
روزے کے چھ آداب ۵۷
مدیر کے نام ۶۱
قرآن اکیڈمی جھنگ میں ایک پروقار تقریب
حرمتِ رسول ﷺ سیمینار ۶۴

قرآن مجید
کے ساتھ
چند لمحات

سورۃ التحریم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ

عجب نہیں کہ اگر پیغمبر ﷺ تم کو طلاق دے دیں

اَنۡ یُّبۡدِلَہٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ

تو ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیبیاں دے دے

مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ

مسلمان، اہل ایمان، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں

عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا O

عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں اور شوہر آشنا اور کنواریاں

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

اے ایمان والو!

قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا

اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ

وَّقُوۡدُھَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ

جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

عَلَیۡھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں

لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمۡ

وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے وہ انہیں جو حکم فرماتا ہے

وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ O

اور بجالاتے ہیں جو حکم ان کو ملتا ہے اسے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡیَوۡمَ

اے کافرو! آج بہانے مت بناؤ

اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ O

جو عمل تم کیا کرتے تھے صرف انہی کا تم کو بدلہ دیا جاتا ہے

حرفِ آرزُو

آبادی میں شرح افزائش کی رُو بہ زوال کمی ـــــــ پوری قوم کو فنا کر کے رکھ دے گی

انجینئر مختار فاروقی

گزشتہ دنوں 11 جولائی کو عالمی سطح پر 'آبادی کا دن' منایا گیا، اخبارات نے خصوصی ایڈیشن شائع کیے اور میڈیا نے بھی اس پر پروگرام پیش کیے پاکستان کے سرکاری اشتہاروں میں شرح افزائش 1.86% فخریہ انداز میں پیش کی گئی ہے۔ دنیا کی آبادی کی شرح افزائش میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور کئی قدرتی عوامل زلزے، سیلاب، متعدی امراض اور دیگر ناگہانی مصائب انسانی آبادی میں کمی کا موجب بنتے ہیں۔ جبکہ ملکوں کے درمیاں جنگیں اور ہوس ملک گیری بھی انسانیت کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ پھر فاطر فطرت نے کرۂ ارضی پر انسانی آبادی عورتوں رمردوں کا

تناسب اور شرح افزائش کا ایک اپنا قدرتی نظام بھی بنا رکھا ہے جو جاری ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی اور بہبود آبادی کا محکمہ انسانی سطح پر آبادی کے بارے میں ہونے والی تبدیلیوں کو کنٹرول کرنے اور کچھ حدود کے اندر اندر رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ تاہم آج کی دنیا میں چونکہ مغربی تہذیب کی بالادستی ہے لہٰذا اس محکمہ کے بھی اُصول وضوابط مغربی اور لادینی سوچ کے عکاس ہیں۔ بعض اوقات انسانی جدوجہد فطرت سے ٹکرا جاتی ہے اور بعض اوقات اس جدوجہد میں مغربی اقوام کے خاص مذموم مقاصد بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔

'دو بچے خوشحال گھرانہ' کا اشتہار بظاہر بڑا پُرکشش ہے اور اس کے پیچھے انسان کی بعض بڑی معصوم خواہشات بھی عمل پیرا ہیں۔ جیسے خوشحالی اور آسودہ حالی کی خواہش، ذمہ داریوں میں کمی اور ملکی واجتماعی سطح پر وسائل کا بھرپور استعمال اور اجتماعی ترقی۔

'دو بچے خوشحال گھرانہ' کا مفہوم یہ ہے کہ ایک فیملی میں (شوہر۔ بیوی کے ہاں) دو بچے ہوں گے اور وہ بھی ایک بچی اور ایک بچہ جو بڑے ہو کر بچی بیاہی جائے گی اور بیٹا شادی کر کے بہو گھر لے آئے گا جس سے اس گھر میں 'آبادی' نہیں بڑھے گی۔ ماہرین آبادی نے جو غور و خوض اور بچپن میں مختلف بیماریوں کی وجہ سے اموات کو مدنظر رکھتے ہیں 2.2% کی شرح افزائش آئیڈیل قرار دے رکھی ہے۔

آبادی نہ بڑھنے سے جو فوائد مغربی ملکوں کے پیش نظر ہیں کہ سکول، کالج، سڑکیں، ہسپتال، مکان، بسیں، ریلوے غرض تمام انسانی بنیادی ضروریات انسانوں کو مسلسل فراہم ہوتی رہیں گی اور ملکی وسائل انسانی فلاح و بہبود پر ہی خرچ ہوتے رہیں گے۔ نہ نئے سکول کھولنے پڑیں گے نہ کالج نہ ہسپتال بنیں گے؛ اس لئے کہ آبادی میں اضافہ نہیں ہوگا۔

آبادی کی شرح افزائش کو ایک حد تک رکھنے کے عزم (2.2%) کی تکمیل کے لئے انسانی عادات و اطوار، سوچ، انداز فکر اور رہن سہن کے انداز میں بھی تبدیلی لائی گئی اور شرح افزائش کو روکنے کے کئی مصنوعی طریقے بھی ایجاد کیے گئے اور بہت سے غیر اخلاقی معاملات کو سند جواز دے دی گئی۔ ABORTION ساری دنیا میں ایک مذموم فعل سمجھا جاتا ہے اور مذہب اس

کی مذمت کرتا ہے مگر مغرب نے اسے انسان کا حق قرار دے دیا۔ آبادی کو کم رکھنے کے لئے سیر و تفریح، سنیما، فلمیں، ساحل سمندر کی سیریں اور بے حیائی بد معاشی کو فروغ دیا گیا۔ جس کے اثرات گزشتہ ایک صدی کی محنت کے بعد سب کے سامنے ہیں۔ اس جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا شرح آبادی کم ہونا شروع ہوگئی اور مغرب کا انسان اسی راہ پر چل نکلا۔

چند عشروں بعد معلوم ہوا کہ مغرب اور یورپی ممالک کی شرح افزائش کم ہو کر 2.2% سے بھی کہیں نیچے چلی گئی ہے۔ چنانچہ آج کل امریکہ 1.8%، کینیڈا 1.7%، جبکہ یورپی ممالک میں کئی ممالک کی شرح 1.1% تک گر چکی ہے۔

شرح افزائش 2.2% ہو تو 'دو بچے خوشحال گھرانہ' کا نعرہ ہے جبکہ شرح افزائش 1.1% ہو تو اس کا مطلب 20 عورتوں مردوں یعنی 10 خاندانوں میں 11 بچے پیدا ہوں گے ایک نسل میں 20 افراد صرف 11 رہ گئے اور اگلی نسل میں 5 رہ جائیں گے اور 60 سال میں یہ معاشرہ فنا ہو جائے گا۔

ماہرین آبادی اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی آبادی میں شرح روکنے کے مصنوعی طریقے جب فروغ پا جائیں اور شرح افزائش 1.3% تک آجائے تو انسانی مزاجوں کو بدل کر دوبارہ شرح افزائش میں اضافہ کی طرف لانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی حال آج یورپی اور مغربی ممالک کا ہے۔ نہ عورت گھر گرہستی اور بچوں کی پیدائش کی ذمہ داریاں ادا کرنے کو تیار ہے اور نہ مرد گھریلو اخراجات اور گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کو تیار ہے لہٰذا ــــــــــ مغربی معاشرے آج تباہی کے کنارے کھڑے ہیں۔ یورپ میں اگر ترکی اور دیگر مسلمان ممالک سے نقل مکانی نہ ہو تو وہاں اگلے تیس چالیس سالوں میں انسانی آبادی ختم ہو جائے گی۔

یاد رہے کہ مسلم ممالک میں بھی اسی پراپیگنڈے اور مغربی میڈیا کے زیر اثر شرح افزائش رُو بہ زوال ہے کبھی مسلمان ملک ترقی میں شرح افزائش 5% سے زیادہ تھی۔ جب پاکستان بنا تو اس وقت ہمارے ہاں شرح افزائش 3.8% تھی جبکہ چند سال قبل 2.2% رپورٹ ہوئی تھی۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ اس سال آبادی کے عالمی دن کے موقع پر جو اشتہارات

وغیرہ میڈیا اور اخبارات پر آئے ہیں اس کے مطابق پاکستان کی شرح افزائش کم ہو کر 1.86% رہ گئی اور یہ شرح رُوبہ زوال ہے گویا امکان اس کے مزید کم ہونے کا ہے۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے اور مغرب ہمیں بہبود آبادی کے نام پر زہر کی بجائے 'گڑ' دے کر مارنا چاہتا ہے اور ہماری نسل کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک تو پولیو کے ٹیکے بھی ہمارے بچوں میں شرح آبادی کے خاتمے کے لئے ہی پلائے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے ــــــــ جاگنے، غور کرنے اور عوام کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ فلمیں، میڈیا، بے حیائی کے اسباب، ناچ گانے کی محفلیں اور مخلوط اجتماعات سے اجتناب کیا جائے اور اسلام کے عطا کردہ شرم وحیا کے پاکیزہ معیارات کو فروغ دیا جائے تا کہ ہمارے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، قرآن سے محبت اور انسانیت کے فطری جذبات فروغ پائیں اور مغربی طرز زندگی کو خیر باد کہہ کر حضرت محمد ﷺ کے طرزِ زندگی یعنی اُسوۂ حسنہ (LIFE STYLE) کو اپنائیں اسی میں ہم مسلمانوں کی دنیاوی بقا اور اُخروی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شعور دے اور مغربی ہتھکنڈوں اور عیارانہ چالوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مکالمہ بین المذاہب

دین مصطفےٰ ﷺ کی تکمیلی شان، آخری دین ہونے اور ـــــــ ختم نبوت کا انکار ھے

انجینئر مختار فاروقی

گزشتہ کئی عشروں سے عالمی سطح پر بالادست قوتوں کے اشاروں پر مذاہب عالم کوایک جگہ اکٹھے بٹھا کر باہمی افہام وتفہیم کی کوششیں جاری تھیں جو 2001ء کے بعد تیز رفتاری سے نمایاں ہوکر شدت اختیار کرگئی ہیں۔نصف صدی پہلے سالانہ ایک فنکشن کسی یورپی ملک میں INTER-FAITH DIALOUGE کے نام سے ہوتا تھا جس میں عالمی سطح کے تاجر، صنعتکار اور دانشور حضرات شرکت کرتے تھے۔کاروائی کے طور پر کچھ اجلاس بھی منعقد کیے جاتے تھے مگر معاملہ گپ شپ، بزنس کی دوستیاں اور صنعتی تعاون سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔

2001ء میں نائن الیون (امریکی ریاست نیویارک کے اہم کاروباری علاقے میں 3 کثیر المنز لہ عمارات کی خودساختہ تباہی کا واقعہ 11 ستمبر 2001ء کو ہوا تھا۔امریکی بولنے اور لکھنے میں پہلے مہینہ بولتے ہیں اور بعد میں اس مہینہ کی تاریخ جس سے یہ ڈرامائی تباہی کا دن نائن

الیون کا واقعہ کہلاتا ہے) کے واقعہ کے بعد جہاں مغرب نے بغیر سوچے سمجھے اور بلا جواز طریقے پر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز کر دیا وہاں افغانستان، عراق اور پاکستان میں امریکی افواج داخل ہوگئیں یوں عالم اسلام کے قابل ذکر حصے پر امریکیوں نے اپنے ناپاک اور منحوس قدم جمالئے۔

عالم اسلام ان امریکی (نیٹو سمیت) کاروائیوں سے سکتے کے عالم سے ابھی نکلا ہی نہیں تھا کہ مغربی منصوبہ سازوں نے ان صلیبی کاروائیوں کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں کی دلجوئی اور مسلمان حکمرانوں کی کسی ممکنہ دلی خلش کو دور کرنے کے لئے ''مکالمہ بین المذاہب'' کے نام سے سابقہ INTER-FAITH DIALOUGE کی کاوشوں کو نیا رخ دے دیا تاکہ میڈیا میں مسلمانوں پر مظالم کے تذکروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اشک سوئی یا آنسو پونچھنے کا ڈرامہ بھی ہوتا رہے تاکہ مسلمان امت یکسو ہوکر مغرب کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرسکے۔اس ''مکالمہ بین المذاہب'' کے لئے بھی عالم اسلام ہی میں سے بہت سے حکمران اور علماء وصوفیاء اس مقصد کے لئے مغربی منصوبہ سازوں کے ہاتھ آ گئے اور یوں عالمی صلیبی جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں کی ممکنہ بیداری سے پہلے ہی دوبارہ ''لوریاں'' دینے کا عمل شروع کر دیا گیا۔جہاں تک INTER-FAITH DIALOUGE کا معاملہ تھا یا اب بھی مکالمہ بین المذاہب کا ہے__________ نظری طور پر اس میں کچھ فوائد بھی ہیں جو ہم نے حکمت بالغہ کے مئی 10ء شمارے میں ہدیہ قارئین کر دیے تھے۔ذیل کی سطور میں ہم ''مکالمہ بین المذاہب'' کا سمیاتی یا زہریلا پہلو سامنے لانے کی کوشش کر رہے ہیں (کسی ایک فرد کا کسی 'مسئلے' میں "VISION" حتمی یا حرف آخر نہیں ہوسکتا مزید حضرات اس اہم موضوع پر قلم اٹھائیں گے تو کئی پہلو واضح بھی ہوتے چلے جائیں گے اس موضوع پر اہل قلم حضرات کے لئے حکمت بالغہ کے صفحات حاضر ہیں)۔ مغربی افکار ونظریات کی پٹاری کا یہ پہلا زہریلا ناگ نہیں ہے جو مسلمانوں کے خلاف سامنے لایا گیا ہے بلکہ اس سے پہلے بھی کئی مواقع آئے ہیں جب حاملین وحی کا ''عصا'' ان کو بے اثر بنا چکا ہے۔

مغرب کے بدلتے زہریلے نظریات

آج سے ایک صدی قبل برطانوی اور امریکی دماغ ''وطنی قومیت'' اور قومی ریاستوں

(NATIONAL STATES) کا راگ الاپ رہے تھے اس لئے کہ اس وقت مسئلہ سلطنت عثمانیہ کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا چنانچہ لارنس آف عربیہ کے ذریعے مشرق وسطیٰ میں وطن، زبان، رنگ کی بنیاد پر ایسا زہر گھولا گیا کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ سارے علاقے سلطنت عثمانیہ سے علیحدہ کر کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے طور پر تسلیم کر لئے گئے۔ ریاست جتنی چھوٹی اور غیر فطری بنیاد پر ہوگی اتنی عالمی منصوبہ سازوں کے رحم و کرم پر ہوگی شام، لبنان، اردن، کویت، امارات یہ سب اسی کے شاخسانے ہیں حتیٰ کہ 1947ء میں بننے والے پاکستان کے ایک حصے کو عالمی منصوبہ سازوں (یا دہشت گردوں) نے مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش بنا دیا۔ پاکستان سے الگ ہونا ایک مرحلہ تھا جس میں کچھ مغربی پاکستان کے سیاست دانوں کے نامناسب رویے بھی شامل تھے تاہم وہ ملک مشرقی پاکستان کے نام سے الگ رہ سکتا تھا جبکہ مذہبی اور نظریاتی ریاست کا وجود مغربی منصوبہ سازوں کے لئے کڑوی گولی تھی چنانچہ ایک ہی وار میں مشرقی پاکستان کو الگ کر کے لسانی قومیت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

آج نصف صدی بعد خود یورپ، یورپی لسانی اور وطنی ریاستوں کے ادغام اور 31 ممالک کے یکجا ہو کر ایک ملک، ایک کرنسی، ایک پارلیمنٹ اور ایک سربراہ کا داعی ہے۔ مغرب کے انداز نرالے ہیں اور بے اصول بالا دست قوتوں کا ہمیشہ یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو نظریات کی شکل میں پیش کرتے آئے ہیں اور ان کو اس حد تک خوشنما اور مزین کر کے پیش کیا جاتا ہے کہ عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی نسخہ شفا ممکن نہیں ہے مگر ــــــــــــ اغراض پوری ہو جائیں، مفادات حاصل ہو جائیں تو اس کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہے کوئی اور ''راگ'' شروع کر دیا جاتا ہے۔ آقا و غلام، حاکم و محکوم ترقی یافتہ اور ترقی پذیر قوموں کے درمیان یہی واحد ممکن عملی رشتہ اور EQUATION ہے جو جاری ساری ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے نہ وطنی ریاست کے نظریہ کا فروغ ''خیر'' تھا اور نہ اب یورپ کا اتحاد اسلام کے لئے کوئی نوید صبح بہاراں ہے مسلمانوں کو اپنا راستہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے نسخۂ کیمیا قرآن مجید اور اس (ﷻ) کے آخری رسول ﷺ کے فرامین کی روشنی میں تلاش کرنا چاہئے اور آگے بڑھنا چاہئے۔

بات ذرا طویل ہوگئی______ مگر بقول علامہ اقبال

ع سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

یا ۔ خواب سے بیدار ہوتا ہے محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

کے مصداق قریب کی صدی کی ایک اور مثال مقصد کی وضاحت کے لئے از حد مفید ہوگی۔

کمیونزم......سوشلزم

کارل مارکس ایک فلسفی تھا (1818ء۔1883ء) اس کے زمانے میں صنعتی انقلاب چھا چکا تھا اور انسان مشین کا غلام بن چکا تھا سرمایہ داری کے فروغ سے رقم صنعتکاروں، کارخانہ داروں، تاجروں، مقتدر قوتوں اور بالآخر بنکوں سے ہوتی ہوئی یہودی حرام خوروں اور سودخوروں کے پیٹوں میں جارہی تھی جبکہ مزدور کے لئے کوئی سہولت نہیں تھی اسے مزدوری سے دو وقت کی روٹی بھی ملنا مشکل تھی۔

کارل مارکس سے ایک کتاب لکھوائی گئی DAS CAPITAL اس میں جدلی مادیّت کا نظریہ بڑا مدلل کر کے پیش کیا گیا جس میں تاریخ انسانی کا معاشی تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا گیا یہی نظریہ صدیوں سے انسانی معاشروں میں کارفرما ہے اور مذہب اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کہ محکوموں قوموں کو حقوق اور دنیاوی آسائیشوں سے علیحدہ اور مطمئن رکھا جاسکے۔

کتاب کا بڑا شہرہ ہوا اس کو عالمی پریس میں پذیرائی ملی عوام کو اس نظریہ میں اپنی بھلائی نظر آئی______ ہنگامے ہوئے، ہڑتالیں ہوئیں______ تالہ بندیاں، لڑائیاں، قتل، ظلم وستم کے پسے مگر مزدور کسانوں کو پہلے سے بھی زیادہ دبادیا گیا۔

بیسویں صدی کے شروع میں روس میں اس نظریہ کے حامی اٹھے اور خفیہ ہاتھوں نے کارکردگی دکھائی اور انقلاب روس برپا ہوگیا ار سرخ انقلاب کے نتیجے میں ''سرخ سویرا'' روشن ہو گیا۔ کامیابی کے ترانے گائے گئے مزدور کی فتح کا اعلان کیا گیا۔ کسان اور مزدور کو وکٹری سٹینڈ پر کھڑا کردیا گیا۔ درانتی اور ہتھوڑا اس جدوجہد کی کامیابی کی علامت بن گیا______ مگر معلوم ہوا کہ درحقیقت پہلے سے موجود جو کچھ آزادی تھی وہ بھی سلب ہوگئی اور انسان محض معاشی

حیوان بن گیا۔ یقیناً یہ اس استحصالی طبقہ ہی کی کامیابی تھی۔ حتیٰ کہ USSR کو USA کے مقابلے لاکھڑا کیا گیا۔ بلکہ USSR کی کامیابیاں زیادہ نظر آنے لگیں۔

قریب تھا کہ حالات کوئی کروٹ لیں اور انسان جذبِ دروں اور فطری جذبات کے تحت خداشناسی کی طرف آ جائے ــــــــــــــ اس انقلاب کی بساط بھی لپیٹ دی گئی اور 1990ء میں اس نظریہ کو دفن کر دیا گیا۔ جب سرخ انقلاب کا نصف النہار تھا اس کے پرستار بڑے نازاں رہتے تھے اور اس کے گن گاتے تھے۔ تمغوں، انعامات سے نوازا جاتا تھا اور انہی دانشوروں کی عظیم کتب تھی جو اسی کے گن گاتی تھی۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ کارل مارکس کا جدلی مادیت کا نظریہ ہی کائنات اور اس کے اندر جاری معاشرتی ضرورتوں اور تبدیلیوں کی ''واحد'' تشریح ہے۔ مگر ــــــــــــــ جن قوتوں نے اسے اٹھایا تھا جب انہیں ہی اس سے اپنے مفادات ملتے نظر نہیں آئے تو اس کو نہ صرف ختم کرادیا بلکہ اس کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔

1990ء سے پہلے سرخ انقلاب کے گن گانے والے دانشور اور صحافی حضرات کے پرنٹ میڈیا کو دیکھو تو دنیا پر چھایا ہوا لگتا تھا مگر ــــــــــــــ اس انقلاب کے خاتمہ کے بعد ــــــــــــــ نہ معلوم کیا ہوا کہ اس انقلاب کے پروردہ اور نمک خوار حضرات میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جو اس کمیونزم اور سوشلزم کے زوال کو وقتی پسپائی قرار دے ــــــــــــــ کارل مارکس کے نظریہ جدلی مادیت کی تشریح کرتے ہوئے اب اگلے مراحل کا نقشہ دکھاتا اور لوگوں کو تیار کرتا۔ USSR کی تحلیل کو دو عشرے گزر چکے ہیں آج تک میری نظر سے کوئی ایسا تجزیہ نہیں گزرا کہ کسی نے جدلی مادیت کا دفاع کیا ہو اور آگے کے مراحل گنوائے ہوں (مجھے دنیا میں چھپی ہوئی ہر چیز پڑھنے کا دعویٰ نہیں ہے اگر آپ کے علم میں کوئی ایسی قابل ذکر کوئی چیز ہو تو مطلع فرمائیں مشکور ہوں گا)

گویا آج کی دنیا میں دلیل کی طاقت کم اور پس پردہ قوتوں (عالمی مافیا) کے مفادات کا تحفظ ہی اصل الاصول ہے جو رائج ہے جب تک سوشلزم کمیونزم کے فروغ میں مفادات محفوظ تھے اس کا راگ الاپا گیا اور دنیا کو دو سپر طاقتوں میں تقسیم کر کے بندر بانٹ سے فائدہ حاصل کیا گیا اور جب عوامی بیداری کی لہر آنے لگی اور بالخصوص مسلمان بیدار ہونے لگے تو دنیا کو ایک ''سپر پاور''

امریکہ کے ذریعے 'بے اصولی' کے اصول اور 'اندھی فوجی قوت' کے استعمال سے قابو میں رکھ کر اپنے مفادات کا تحفظ کیا گیا۔ درحقیقت نہ پہلے عوامی فلاح و بہبود مقصود تھی اور نہ اب اس لئے کہ انداز مغرب ہے تاجرانہ۔

مکالمہ بین المذاہب کا نظریہ

اسی طرح مکالمہ بین المذاہب کے نظریہ کا فروغ نہ اسلام کے حق میں ہے نہ انسانیت کے حق میں اس سے نہ کسی قوم کو فائدہ ہے اور نہ نسل انسانی کو، یہ تو صرف مقتدر قوتوں اور ان کے ذریعے عالمی صیہونی مافیا کو فائدہ ہے اور دشمن کو کمزور کرنا مقصود ہے ـــــــــــــ ان کے ذہن کے مطابق اپنا مفاد حاصل کرنے کے بعد اس نظریہ کو لپیٹ کر رکھنے میں بھی کوئی دیر نہیں لگے گی۔

ساری دنیا کو آنکھیں کھول کر اس نظریہ کو پرکھنا چاہئے کہ مادیت کی بجائے مذہب، دنیا پرستی کی بجائے خدا پرستی اور عقل پرستی کی بجائے آسمانی ہدایت کے دامن میں پناہ ہے اور مسلمانوں کو بالخصوص اس نظریہ مکالمہ بین المذاہب کو آخری آسمانی کتاب قرآن مجید اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور آخری امت ''امت مسلمہ'' کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے نہ کہ غیروں کی نگاہ سے، ہمیں مغربی اور صیہونی عینک لگا کر آج کے SCENARIO کو نہیں دیکھنا ہے بلکہ مکہ اور مدینہ اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنا کر دیکھنا ہے۔ بقول اقبال

ع　　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

مسلمانوں کی کامیابی نیویارک اور واشنگٹن یا پیرس و لندن کی گلیوں کی خاک چھاننے میں نہیں بلکہ مدینہ النبی ﷺ اور القدس کی دھول اور خاک میں ہے۔

بقول شاعر؎　　　ہاتھ آئے اگر خاک تیرے نقش قدم کی
سر پر اسے رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں

نظریہ مکالمہ بین المذاہب کن دلائل کی بنیاد پر دین مصطفےٰ ﷺ کے لئے سمّ قاتل ہے اور انکار نبوت و ختم نبوت ہے ـــــــــــــ اس مسئلے کا صغریٰ کبریٰ ذیل کی سطور میں واضح کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش کی گئی ہے۔

’’مکالمہ بین المذاہب‘‘ کا نظریہ

دنیا کی تاریخ میں بہت اتار چڑھاؤ آئے ہیں اور سینکڑوں تہذیبیں اٹھیں عروج تک پہنچیں بے راہ روی اختیار کی اور معدوم ہو گئیں، سینکڑوں شاہی خاندان ہیں، مطلق العنان بادشاہ ہیں، خدائی کے دعویدار ہیں جنہیں آج جانتا ہی کوئی نہیں۔ گزشتہ پانچ چھ صدیوں سے مغربی تہذیب کا زور ہے تہذیب مغرب روایتی بادشاہت، سادہ تہذیبی برتری یا کسی خاندانی عظمت کا نشان نہیں بلکہ اس تہذیبی برتری میں کئی قومیں، کئی ملک، کئی شاہی خاندان، کئی براعظم، کئی لسانی و جغرافیائی اکائیاں شامل ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مغربی تہذیب کے ملغوبہ اور قوموں کے مجموعہ کو اکٹھا رکھنے اور جوڑنے والی قوت جاذبہ (COHESSIVE FORCE) کونسی ہے؟ یہ ایک نادیدہ اور غیر مرئی انسانی طاقت ہے جس کی نشان دہی بیک وقت مشکل بھی ہے اور آسان بھی۔ اس قوت کے اپنے چند مقاصد ہیں جو صاف ظاہر ہے عام انسانی سوچ کے خلاف ہیں ورنہ یہ لوگ اقتدار حاصل کرتے، عیش کرتے، محلات بناتے ترقی کر کے دنیا میں اپنی فتوحات کا ڈنکا بجاتے اور ع ’ہر کمالے را زوال‘ کے مصداق فنا کے گھاٹ اتر جاتے۔ نہیں............اس قوت نے اپنی سلطنت اور اقتدار کو طول دینے کے لئے انسان دشمن، مذہب دشمن، خدا بیزار اور شیطانی طریقے اپنائے ہیں اور دنیا کی جس قوم سے واسطہ پڑتا ہے اس کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتی ہے خود کبھی اقتدار میں نہیں آنا چاہتی پس پردہ رہ کر عالمی سیاسی مہروں، مذہبی کھلاڑیوں اور معاشی BIG GUNS کو استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتی رہتی ہے۔ اسی لئے اس کو خود زوال کا خطرہ نہیں ہے، مہرے اور کھلاڑی بدلتے رہتے ہیں مگر مقاصد ایک ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال نے ایک صدی قبل کہا تھا جب برطانیہ اور تاج برطانیہ اس ابلیسی قوت کا سب سے بڑا مہرہ تھا

ع فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

اس عالمی قوت کو یہود اور ’’صہیونی طاقت‘‘ کہتے ہیں یہاں تک تو معاملہ قدرے آسان اور سطحی سا ہے اور ذرا بھی معقولیت اختیار کی جائے تو انسان یہاں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

تاہم ـــــــــــــــ اس عالمی صیہونی ابلیسی طاقت کی پہچان، اس کے منصوبوں کی شناخت اور اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے راستہ روکنے کے منصوبے بنانا شاید دنیا کا

مشکل ترین کام ہے اس کے منصوبے بڑے گہرے، دورس اور دنیا کو بہت دیر میں سمجھ میں آنے والے ہوتے ہیں۔اس نادیدہ قوت کے عصر حاضر کے منصوبوں میں سے ایک منصوبہ

مکالمہ بین المذاہب

کا نظریہ بھی ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کا نظریہ کیوں؟

1۔ عالمی صہیونی ابلیسی طاقت جو عالمی حالات کو کنٹرول کر کے اپنی مرضی کے مطابق چلا رہی ہے اس طاقت کا عوامی نام ''یہود'' ہے۔اس طاقت کا منصوبہ اور ایجنڈا ہے ملک اسرائیل کو بڑے ملک میں تبدیل کر دینا یعنی GREATER ISRAEL کا قیام اور عالمی سلطنت کا خواب۔

2۔ اس طاقت نے اپنے اس منصوبے کو کامیاب کرنے کے لئے دنیا کے تمام جائز و ناجائز طریقے اور تمام اخلاقی اور غیر اخلاقی حرکتیں اپنے لئے ''حلال'' کر رکھی ہیں چنانچہ جھوٹ، فراڈ، بے ایمانی، دھوکہ، بے حیائی، عیاشی، شراب، بدکاری اور سود جیسے جرائم کے ذریعے بھی رقم کا حصول ان کا طریقہ ہے اور دوسروں کو ان راستوں اور عیاشیوں کی پیش کش کر کے خریدنا اور اپنے مقاصد کے حصول کے ان تمام بے حیائی کے کاموں کا کر گزرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

3۔ ان طریقوں سے اپنا مقصد اور مدعا حاصل نہ ہو سکے تو ظلم، نا انصافی، دھونس، قتل انسانیت جیسے جرائم بھی ان کے نزدیک گناہ نہیں ہیں۔

4۔ اس طاقت نے دنیا کی تمام قوموں کو آج سینما، سی ڈی کلچر، وی سی آر کلچر کے ذریعے قابو کر لیا ہے امریکہ کے HUNGTINGTUN نے آج سے دس بارہ سال پہلے کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' لکھی تھی کہ اس طاقت کے لئے ساری قوموں، سارے ملکوں، تمام تہذیبوں کو زیر کرنا آسان ہے مگر ''مسلمان'' قوم اور اس قوم کی تہذیب و ثقافت کو زیر کرنا ناممکن ہے۔لہٰذا اس کے لئے اسی طاقت کے ایجنٹوں نے طے کر لیا کہ چاہے اربوں آدمی قتل کرنا پڑیں تو کر دیں گے مگر یہودی منصوبے کو کامیاب کریں گے اس لئے وہ یہودی طاقت کے خریدے ہوئے غلام ہیں۔

5۔ اس فیصلے کے تحت مسلمان کو بالعموم اور مسلمان نوجوانوں کو بالخصوص دین سے برگشتہ کرنے اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے دور کرنے کا عمل تیز کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ کہیں قرآن مجید جلانے اور توہین قرآن کے واقعات ہوتے ہیں۔ کبھی 295-C کے قانون کو ختم کرنے کی بات ہوتی ہے گویا انبیاء ورسل علیہم السلام اور قرآن کی توہین پر کوئی سزا نہیں ہونی چاہئے۔ اس فیصلے کا دوسرا مرحلہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنائے جائیں اور ان کی توہین کر کے اور ان کی ''معاذ اللہ'' کردار کشی کر کے عام مسلمانوں کے دل سے حضرت محمد ﷺ کی محبت اور عشق کے جذبے کو ٹھنڈا کر دیا جائے۔

اس مکر و فریب کا ایک حصہ ''مکالمہ بین المذاہب'' کا جال بھی ہے کہ کابل، بغداد، کشمیر، چیچنیا میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے اور یہی طاقتیں اس کی نگرانی کر رہی ہیں اور اس قتل میں ملوث ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے آنسو پونچھنے کے لئے ''لالی پاپ'' ہے کہ مکالمہ بین المذاہب کی بحث ہے کہ ہم تو اسلام کی عزت کرتے ہیں اس کے خلاف نہیں ہیں۔ تاہم یہ مکر و فریب کا جال اور بڑا زہریلا منصوبہ ہے۔

مکالمہ بین المذاہب......کا مطلب

اس نظریہ کو سامنے لانے اور فروغ دینے کا مطلب یہ ہے کہ عوام تو آپس میں ملتے ہیں مگر مذہبی علماء ــــــــــــ عوام کو باہمی میل جول سے روک دیتے ہیں اور فتویٰ جاری کر کے عوامی جذبات کو ابھار دیتے ہیں۔ جس سے مذہبی ''غیرت'' اور دوئی سامنے آجاتی ہے۔

لہٰذا ــــــــــــ علماء کے ایک طبقے کو ہی کسی بہانے سے مختلف مذاہب کے مابین رابطہ اور افہام و تفہیم کے نام سے جمع کر دیا جائے۔ شروع شروع میں اعلیٰ ہوٹلوں میں قیام اور اعلیٰ کھانے، اعلیٰ سطحی رابطے، تحفے تحائف سے دل نرم ہوں گے پھر لاحاصل اور بے مقصد کانفرنسیں ہوں گی اور باہمی اختلافات پس پردہ چلے جائیں گے ایک دوسرے کا احترام پیدا ہوگا اور یوں چند سالوں بعد جب ''مکالمہ'' اور DIALOUGE کی نوبت آئے گی تو درج ذیل مسائل کا سامنا ہوگا۔

مذاکرات رمکالمہ کے اصول

دنیا میں مل بیٹھنے اور باہمی امور پر بات چیت کے لئے چند بنیادی اصولوں پر عالمی اتفاق ہو چکا ہے (ظاہر ہے کہ یہ بالا دست مغربی قوموں کے مزاج اور مفادات کے مطابق ہی ڈھالے گئے ہیں) ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ تمام فریق رشرکاء مجلس برابری کی بنیاد پر شریک اجلاس ہوں گے۔

2۔ فریق اور شرکاء حضرات کی اکثریت جس فریق کی شرکت پر متفق نہیں ہوگی اسے مکمل شریک اجلاس نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ صرف ''مبصر'' کے طور پر شریک ہوگا۔

3۔ مجلس راجلاس کی کاروائی کی زبان مشورہ سے طے کر لی جائے گی اور مزید برآں زبان کا لہجہ باہمی عزت واحترام، پیار ومحبت، انسانی وقار اور اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہوگا۔ زبان اور لہجہ بدزبانی، بے ہودگی اور غیر اخلاقی الفاظ (حرکات وسکنات وغیرہ) سے پاک ہوگا۔

4۔ باہمی گفتگو رمکالمہ رمذاکرات سے جو مسائل اور ایجنڈا (ISSUES) طے ہوتے جائیں گے وہ حتمی ہوں گے اور ان کا احترام کرنا ہوگا جبکہ دیگر معاملات پر ضد اور اصرار کا کسی فریق شریک کی طرف سے اظہار نہیں ہوگا۔

5۔ مجلس کے شرکاء سب برابر تصور ہوں گے اور پہلے سے کوئی درجہ بندی یا CADRES معین نہیں ہوں گے اسی لئے اکثر ایسے بڑے اجلاسوں میں نشستیں (اختلافات سے بچنے کے لئے) ناموں کے حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ہوتی ہیں چنانچہ اقوام متحدہ کے اجلاسوں میں بڑے بڑے ملکوں کی شرکت کے باوجود نشستوں کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہونے کی وجہ سے سب سے پہلی نشست افغانستان کے نمائندہ کی ہوتی ہے۔

6۔ معاملات کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے مستقل طور پر یا ایک معین مدت کے لئے یا ہر اجلاس کے لئے ایک صدر نشین چیئر مین رچیئر پرسن (CHAIR PERSON) کا باہمی مشورہ سے انتخاب کر لیا جاتا ہے۔

7۔ مکالمہ کے دوران تمام گفتگو ایجنڈا کے مطابق اور ISSUES کے حق میں اور خلاف دلائل پر چلتی ہے (اگر چہ یہ بظاہر بڑی خوش کن اور دلکش بات ہے تاہم ہر دور کے عالمی حالات اور

بالا دست قوتوں کے مذہب ،تہذیب وثقافت، پسند ناپسند اور روایات کی قدر کی جاتی ہے اور محکوم و کمزور اقوام انہیں بالا دست قوتوں کے اصولوں کو سامنے رکھنے اور زیادہ وزنی اور مبنی برحق ماننے پر مجبور ہوتی ہیں۔آج کے دور میں بھی اقوام مغرب اور عالمی استعماری قوتوں اور یہود کی پھیلائی تہذیب کے چکا چوند مظاہروں کے زیر سایہ بحث کے اصول عرف عام، رائے عامہ اور معروف و منکر کے پیمانے گزشتہ دوسو سال سے بھی مختلف ہیں کجا یہ کہ انہیں اٹھ دس صدیاں پہلے عالم اسلام کے غلبے کے دور سے تقابل کر کے پرکھا جائے۔لہٰذا ــــــــــــــ نتیجتاً حق و باطل کا معیار مغربی سوچ، آزادروی، خدابیزاری، مذہب دشمنی، اباحیت پرستی، عریانیت، بے حیائی، حیوانیت اور اخلاقی گراوٹ کی آج کے ماحول میں اسلام کی بجائے مخالف اسلام قوتوں کے پاس رہے گا۔

8۔ مجلس کے فیصلے اتفاق رائے یا اکثریت کی بنیاد پر ہوں گے۔

پہلے قدم پر ہی مسلمانوں کو شکست

چند اہم اور نمایاں اصول ہم نے اوپر درج کر دیے ہیں یہی اصول عالمی اداروں، ملکوں کے درمیان صلح و جنگ کے مذاکرات ،ملکوں کی اسمبلیوں وغیرہ میں تسلیم کئے جاتے ہیں اور انہیں پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

ان اصولوں کو مان کر آمنے سامنے کسی ’’مکالمہ‘‘ کے لئے بیٹھنے سے ہی مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی قطع نظر اس کے کہ ان مذاکرات اور مکالمہ کا نتیجہ کیا رہتا ہے اور اسلام کے نمائندے وہاں کیا نظریات و خیالات پیش کرتے ہیں۔ان اصولوں کو تسلیم کرنے سے اسلام ــــــــــــ یکے از مذاہب عالم رہ جائے گا۔پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ یکے از بانیان مذاہب شمار ہوں گے اور مسلمان دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ہم پلہ ہوں گے (تعداد کم ہو یا زیادہ) تعداد کی بات اٹھائی جائے گی تو دلیل یہ دی جائے گی۔تعداد کے لحاظ سے تو دنیا میں عیسائی زیادہ ہیں یا سیکولر مزاج کے لوگ زیادہ ہیں؛ لہٰذا ــــــــــــ اکثریت کی بات پر فیصلہ کرنا ہے تو مذہب کو پیچھے دھکیل کر لادینیت اور خدابیزاری کے خیالات کو پہلے سے زیادہ فروغ دینے کے حق میں ماحول سازگار ہو جائے گا۔قرآن یکے از آسمانی کتب اور ویدوں، گرنتھ، عہد نامہ قدیم

اورعہد نامہ جدید کے ہمہ وزن قرار پائے گا (حالانکہ عہد نامہ قدیم وجدید اللہ کا کلام نہیں انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں)

اوپر درج چند نکات کا حاصل یہ ہے کہ مکالمہ بین المذاہب کو تسلیم کر لینے ہی میں مسلمانوں کی شکست اور اپنے آسمانی اور قرآنی نظریات سے پسپائی ہے اور دشمن کی جیت ہے۔ آیئے ذرا تفصیل میں جا کر دیکھتے ہیں کہ ہمارا دین، قرآن مجید اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے فرامین کی روشنی میں اسلام کیا ہے؟ حضرت محمد ﷺ کا سلسلہ انبیاء میں کیا مقام ہے؟ اور قرآن مجید کا آسمانی وحی میں کیا مقام ہے؟ ہم پہلے قدم پر ہی جو "بازی ہارنے" جا رہے ہیں اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ اور مکالمہ بین المذاہب کے "جوئے" میں کیا چیز داؤ پر لگ رہی ہے اور کس کس چیز کے کھو جانے کا اندیشہ ہے۔ جبکہ قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ جیتنے کے امکانات معدوم اور ہارنے کے امکانات واضح اور نوشتہ دیوار ہیں۔

اسلام کے اہم خصائص

☆ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ آج سے چند صدیاں پہلے تک انسانی سوچ اور تہذیبوں پر مذہب کا اثر بہت نمایاں تھا آج بھی دنیا میں موجود انسانوں کی اکثریت کسی نہ کسی مذہب سے وابستگی کا اظہار کرتی ہے ــــــــــــ آج کے دور میں گزشتہ ایک صدی کے مغربی پروپیگنڈے کے باوجود مذہب کا نام زندہ ہے تو یقیناً مذہب اور خالق کائنات، انبیاء رسل علیہم السلام کا تشریف لانا، وحی، آسمانی کتابوں کا وجود برحق ہے۔

☆ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے اسلام کے ماننے والے تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک ورب ہے جو نظر نہیں آتا وہ اپنی صفات (اسماء الحسنٰی) سے پہچانا جاتا ہے، اس کو اس دنیا میں کوئی نہیں دیکھ سکتا، جنت میں اس (سبحانہ وتعالیٰ) کا دیدار ہوگا۔

☆ اس اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اس کو بااختیار بنا کر اشرف المخلوقات قرار دیا ہے اور اس کی فطرت میں بہت ساری صلاحیتیں از قسم توحید، معرفت الٰہی، تصور آخرت، نیکی بدی کی تمیز وغیرہ وغیرہ ودیعت کر دی ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت بنائی ہے کہ وہ انسان خالق کے بتائے ہوئے طریقے پر

چل کر زندگی گزارے اور آخرت میں جنت کا مستحق ٹھہرے یا نافرمانی کی صورت میں سزا پائے اور جہنم کا ایندھن بنے۔ مگر اس راستے میں انسان کو نسیان اور غفلت کے اندھیرے سے نکالنے کے لئے اللہ ﷻ نے نبی اور پیغمبر علیہم السلام بھیجے جو کردار میں بہت اعلیٰ پائے کے انسان تھے اور ان کا قول و فعل ایک جیسا تھا، کردار بے داغ تھا، لوگوں نے انہیں لڑکپن جوانی اور عملی زندگی میں پہلے پرکھا تھا اور پھر ان کی باتوں اور تعلیمات کو صحیح مانا ــــــــــــــ کچھ نے اس کا اعلان بھی کر دیا اور اکثریت نے دل کے اقرار کے باوجود زبان سے انکار کر دیا اور کافر ہو گئے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے جو نبی اور رسول علیہم السلام بھیجے ان کی تعداد کے بارے میں مشہور روایت ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے جن میں سے 313 رسول تھے (علیہم السلام) ان نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دور کے مطابق وحی کے ذریعے تعلیمات دیں تا کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ پھر دنیا نے ترقی کی اور لکھنا پڑھنا سیکھا پھر کاغذ ایجاد ہو گیا اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کو کتابیں دیں تا کہ ہدایت تا دیر محفوظ رہ سکے اور یہ کتابیں چار تھیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ پیغمبروں علیہم السلام میں حضرت آدم علیہ السلام پہلے پیغمبر تھے اور حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر تھے ہم مسلمان اس آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ماننے والے اور پیروکار ہیں۔

ہر آنے والے پیغمبر نے سابقہ پیغمبروں کی تصدیق فرمائی اور سابقہ کتابوں کی بھی نیز ہر آنے والے نبی علیہ السلام نے ایک بڑے اور آخری پیغمبر ﷺ کی خوش خبری دی جبکہ حضرت محمد ﷺ نے تمام سابقہ کتب اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق فرمائی اور ختم نبوت (ورسالت) کا اعلان فرما دیا گویا آسمانی وحی کا دروازہ بند ہو گیا۔

اعلان ختم نبوت کے نتیجے میں حضرت محمد ﷺ کامل ترین اور اکمل ترین نبی اور رسول قرار پائے اور قرآن مجید انسانوں کے نام اللہ تعالیٰ کی آخری ہدایت، مکمل ہدایت اور قیامت تک کے لئے ہدایت قرار پائی۔

قرآن مجید کی آیات کے مطابق حضرت محمد ﷺ کی آخری نبی ہونے کی وجہ سے ایک منفرد شان ہے اور وہ ایسی انقلابی شان ہے کہ کسی اور نبی علیہ السلام کو عطا نہیں ہوئی۔ آپ کے ہاتھوں دین اسلام کا غلبہ ہوا اور سابقہ آسمانی کتب اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات ــــــــــــ

قرآن مجید اورآپ کی احادیث کے ذریعے آخری شکل میں دنیا کو عطا ہوئیں، ختم نبوت کے نتیجے میں حضرت محمد ﷺ اب قیامت تک کے لئے نبی ہیں اور قرآن مجید قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے نام آخری پیغام ہے۔

حضرت محمد ﷺ تک تسلسل انبیاء علیہم السلام کے نتیجے میں روئے ارضی کے تمام انسان آج سے ہزاروں سال پہلے بھی ہر آنے والے نبی پر ایمان لانے کے مکلّف تھے (جبکہ آنے والا پیغمبر ان کے نبی کی تعلیمات کی تصدیق کرتا تھا) اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری اور قرآن مجید کے نزول کے بعد آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کو تسلیم کرنے کے مکلّف اور قرآن مجید کو ماننے کے ذمہ دار ہیں۔

سابقہ ہر دور میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ماننے والوں کو ایسی تعلیمات اور ہدایات دیتے تھے کہ ہر آنے والے پیغمبر کو تسلیم کریں اوران کا ساتھ دیں ان کی کتب اور تعلیمات میں آنے والے پیغمبروں کی نشانیاں اور پیش گوئیاں ہوتی تھیں جبکہ حضرت محمد ﷺ نے جو تعلیمات دیں ان میں صاف فرمادیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں میں آخری نبی ورسول ہوں اور قرآن مجید آخری کتاب ہے اور تم (مسلمان) آخری امت ہو بلکہ یہ فرمایا کہ میرے بعد جھوٹے نبی پیدا ہوں گے اور وہ دھوکہ باز (دجال) ہوں گے۔ ان تعلیمات کا منطقی نتیجہ ہے کہ سابقہ تمام ادیان و مذاہب (جو کہ کسی نہ کسی نامعلوم یا معلوم پیغمبر علیہ السلام) کے پیروکار ہیں وہ اپنے ہی پیغمبر کی حقیقی تعلیمات (جوانہوں بھلارکھی ہے یا چھپارکھی ہیں) کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر تسلیم کریں اور ان پر ایمان لے آئیں اس میں ان کی فلاح ہے۔

یہ دنیا کی اٹل حقیقت ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے تقریباً 1200 سال تک یہود کے ایک طبقے نے قتل انبیاء کا میدان گرم رکھا (جس سے انسانیت کا رشتہ وحی سے منقطع رہا) لہٰذا حضرت محمد ﷺ سے پہلے کوئی جھوٹا مدعی نبوت سامنے نہیں آیا مگر جیسے ہی ختم نبوت کا اعلان ہوا اس کے بعد سے جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہونے لگے اور یہود نے سابقہ رویہ کے برعکس ان کا تحفظ کیا ہے کہ یہی ان کے مفاد میں تھا اور آج بھی ہے۔

حاصل گفتگو

مکالمہ بین المذاہب کی میز پر بیٹھتے ہی اوراس فلسفہ ونظریہ کوتسلیم کرتے ہی اوپر درج کردہ بہت سی حقیقتوں سے انکار لازم آتا ہے اورکوئی ذی شعور دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مسلمان رہتے ہوئے وہ مکالمہ بین المذاہب کے تقاضوں کونبھا سکے گا۔

مکالمہ بین المذاہب کے نظریہ کی یہ زہرناکی ہے کہ جس سے ہم مسلمانوں کوخبردار رہنا چاہئے اوراہل علم اورعلماء وخطباء کواس دام ہم رنگ زمین زہریلے نظریے سے عوام الناس کوخبردار کرنا چاہئے اور بیداری پیدا کرنا چاہئے تاکہ عوام میں بھی اس مسئلہ کی اہمیت کاشعور پیدا ہو۔

آخری بات

مکالمہ بین المذاہب کے نظریہ کوتسلیم کرنے سے چند باتیں یقیناً لازم آتی ہیں یعنی ـــــــــــــ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت اورشان اکملیت کا انکار لازم آتا ہے قرآن کے آخری وحی ہونے پر پردہ پڑجاتا ہے۔تاہم بالفرض یہ مکالمہ بین المذاہب کا ماحول حالت جبراور اقوامِ مغرب کے دباؤ میں آگے بڑھے گفتگو جاری رہ کرنتیجہ خیز ہوبھی جائے تو ـــــــــــــ بھی آخری نتیجہ یہ ہی ہوسکتا ہے کہ تمام مذاہب میں بہت اختلافات ہیں نمائندے مانتے نہیں ہیں۔دوسری طرف چونکہ دنیا میں ہمیں مل جل کررہنا ہے تو ـــــــــــــ یہی قابل عمل ہے کہ تمام مذاہب میں سے اچھی چیزیں لے کر ـــــــــــــ ایک نیا دین (دین الٰہی کی طرز پر) کھڑا کردیا جائے اوراس کے لئے بھی ہر مذہب وملت اورمسلمانوں میں سے بھی شاید کچھ نام نہاد مذہبی لیڈر میسر آجائیں۔

تاہم یہ فتنہ ـــــــــــــ ایک عظیم ہولناک فتنہ ہوگا اوراس کا مقابلہ پہلے سے ابھرنے والے فتنوں سے کہیں زیادہ مشکل ہوجائے گا اس کے لئے کوئی ''مجدّد اعظم'' حضرت مہدی رحمہ اللہ درکار ہوگا جوحالات کا مقابلہ کرسکے۔

اعاذنااللہ من ذٰلک

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيم

قرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيم

اتارا گیا!

(البقرۃ:185)

شَهۡرُ رَمَضَانَ

رمضان کا مہینہ وہ ہے

الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ

جس میں قرآن اتارا گیا

هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ

لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر

اور ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ

فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ

سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے

وَ مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ

اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے

یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا

وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَا كُمْ

اور چاہتا ہے کہ تم تعداد پوری کرو اور اللہ نے جو تمہیں ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی بڑائی کرو

وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اور تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو

روزہ اور قرآن کی شفاعت

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

الصِّيَامُ وَ الْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ

روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا)

يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ

روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار!

اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَ الشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ

میں نے اس کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا

فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ

آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت ورحمت کا معاملہ فرما)

وَ يَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ

اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا

فَشَفِّعُنِیُ فِیُهِ

خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما)

فَیُشَفَّعَانِ

چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی

(اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا)

رمضان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک

خطبه

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

عَنُ سَلُمَانَ الُفَارِسِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

خَطَبَنَا رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ اٰخِرَ یَوُمٍ مِّنُ شَعُبَانَ

ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک خطبہ دیا

فَقَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدُ اَظَلَّکُمُ

اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر سایہ افگن ہو رہا ہے

شَهُرٌ عَظِیُمٌ شَهُرٌ مُّبَارَکٌ شَهُرٌ

ایک عظمت والا مہینہ اور برکت والا مہینہ

فِیُهِ لَیُلَةٌ خَیُرٌ مِّنُ اَلُفِ شَهُرٍ

اس مبارک مہینے کی ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے

جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیُضَةً وَ قِیَامَ لَیُلِهٖ تَطَوُّعاً

اللہ تعالی نے اس مہینے کے روزے فرض کئے اور اس کی راتوں میں

کھڑے ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے

مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ

جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لئے

کوئی غیر فرض عبادت ادا کرے گا

كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ

تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا

وَ مَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ

اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب

كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ

دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ہے

وَ هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَ الصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے

وَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ

یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے

وَ شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ

اور اس مہینے میں مؤمن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے

مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِماً

جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو افطار کرایا

كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ

تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا

وَ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ

اور اس کو روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزے دار کے

ثواب میں کوئی کمی کی جائے

قُلنَا یَارَسُولَ اللّٰہِ لَیسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ بِہٖ الصَّائِمَ

ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر ایک کو روزے دار کو

افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ

آپ ﷺ نے فرمایا

یُعطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ

اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا

مَنْ فَطَّرَ صَائماً عَلٰی مَذْقَۃٍ لَبَنٍ اَوْ شَربَۃٍ مِنْ مَاءٍ

جو دودھ کی لسی پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزے دار کا روزہ افطار کروا دے

وَ مَنْ اَشْبَعَ صَائِماً

اور جو کوئی کسی روزے دار کو پورا کھانا کھلا دے

سَقَاہُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِیْ شُرْبَۃً

اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا

لَایَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ

جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائے

وَ ھُوَ شَھْرٌ اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ

اور اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے

وَ اَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ

اور درمیانی حصہ مغفرت ہے

وَ اٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ

اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے

وَ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْکِہٖ فِیْہِ

اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام کے کام میں تخفیف کر دے گا

غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَ اَعْتَقَہٗ مِنَ النَّارِ
اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے آزادی دے گا
(ماخوذ از معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

ارباب مدارس کے لئے
چند قابل غور امور

مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

کچھ عرصے سے ایک دینی بہن کی طرف سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ جن میں بہت ہی عمدہ تجاویز، ان کی فکر مندی، وسعت نظر اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے۔ حال ہی میں ان کا ایک خط موصول ہوا جس میں اُنہوں نے چند تجاویز دی ہیں۔ وہ خط قارئین کی خدمت میں اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ ان میں سے بہت سے سوالات اور تجاویز مختلف مواقع پر کئی علماء کرام، ارباب مدارس اور درد منداحباب کی طرف سے سامنے آتی رہتی ہیں۔ خیال ہے کہ وضاحت طلب اُمور کی وضاحت ہو جائے اور اسی طرح اس خط میں اکثر ایسے اُمور ہیں جو صرف مجھ سے متعلق نہیں بلکہ عمومی طور پر مذہبی طبقے سے گزارشات اور توقعات کے مترادف ہیں اس لئے قارئین ایک دینی بہن کا خط ملاحظہ فرمائیں اور اس کے آئینے میں اپنی دینی ذمہ داریوں اور اہداف و مقاصد کی تعیین اور لائحہ عمل کی تشکیل پر نظر ثانی فرمائیں۔
وہ بہن لکھتی ہیں:-

''بخدمت جناب حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج بخیر

اللہ پاک نے محض اپنی قدرت کاملہ سے آپ کی شخصیت میں بہت سی خوبیاں جمع فرما دی ہیں۔ قوتِ بیان، تحریکی سوچ، انتظامی صلاحتیں، تدریس کا ملکہ، قائدانہ صلاحیت، وسیع الظرفی، خندہ پیشانی، اکابر کا اعتماد، تحفظ دینی مدارس کے لئے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، میڈیا پر دینی مدارس کے مؤقف کی صحیح ترجمانی اور اعتراضات کا بروقت اور صحیح جواب دینے کی صلاحیت جیسی بے شمار صفات اللہ رب العزت نے آپ کو عطا فرمائی ہیں۔ ان احسانات وخدمات پر پوری امت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور یہ خدمات انجام دینے کا موقع ملنے پر مبارکباد دیتی ہوں اور چند اُمور کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتی ہوں۔

1۔ جب انسان کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہوتا ہے تو کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے بلند سطح کے اُمور انجام دینے میں اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ بنیادی چیزوں کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا جس کی وجہ سے اداروں کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں یہی چیز حکومتی اداروں میں بھی ہو رہی ہے کہ جو فیصلے اسمبلی میں ہو رہے ہیں غریب عوام سے ان کا کوئی تعلق نہیں، عوامی مسائل شدت اختیار کر رہے ہیں اور ادارے کمزور ہو رہے ہیں۔ آپ نے گزشتہ دورِ نظامت میں بڑے اہم اُمور انجام دیے ہیں جو قابل قدر ہیں اب اللہ پاک نے آپ کو دوبارہ موقع عطا فرمایا ہے اس دور میں آپ مدارس کے داخلی اور بنیادی شعبے پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ کیونکہ دینی مدارس موجودہ دور میں اپنا ظاہری وجود تو اگرچہ باقی رکھے ہوئے ہیں مگر اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہیں۔''

یہ تجویز بہت ہی مناسب اور اہمیت کی حامل ہے لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ذمہ داریوں اور کام کا بوجھ صرف چند افراد پر ہی نہ رہے بلکہ ٹیم ورک کے طور پر کام کیا جائے کیونکہ آج کل مدارس کا معاملہ واقعتاً بہت مشکل ہے عالمی استعماری قوتوں نے مدارس کو اپنا ہدف بنا رکھا ہے، میڈیا نے مدارس کو بری طرح نشانے پر رکھا ہوا ہے، اپنی حکومتوں کی طرف سے آئے روز مدارس کے بارے میں نت نئے منصوبے اور عزائم سامنے آتے رہتے ہیں، پھر مذاکرات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، میڈیا کا محاذ بھی مستقل توجہ چاہتا ہے، تمام احباب کے دکھ سکھ میں شرکت بھی ضروری ہوتی ہے، جلسوں اور اجتماعات میں حاضری بھی لازم تصور کی جاتی ہے، بعض مدارس کے

قانونی اور سرکاری معاملات ہوتے ہیں، کہیں چھاپوں کا سلسلہ تو کہیں مدارس کے انہدام کا المیہ، امتحانات کا بروقت انعقاد اور وفاق المدارس میں نظم وضبط کو برقرار رکھنے کی کوشش، مختلف مزاج کے حضرات کے مزاج کی رعایت یعنی یہ معاملہ اسقدر پیچیدہ ہے کہ جس قدر اس کی تفصیل میں جایا جائے کم ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ذمہ داریوں کی تقسیم وتعین بہت ضروری ہے اور اہل، باصلاحیت اور دردِ دل رکھنے والے ساتھیوں کو چاہیۓ کہ وہ اس معاملے میں سامنے آئیں اور اپنا کردار ادا کریں۔

2۔ ''دنیا کے ہر شعبہ میں فن اور فن کی مختلف جزئیات کے لئے افراد کو تربیت دی جاتی ہے۔ دینی مدارس میں مختلف فنون کی تدریس کے لئے ماہرین کی تربیت کا کوئی معقول انتظام نہیں جس کی وجہ سے بہت علمی نقصان ہو رہا ہے۔ عمر مختصر ہے، جسمانی صلاحیتیں کمزور ہیں، اکابر کی طرح ہر فن میں ماہرانہ بصیرت اب ممکن نہیں کسی ایک فن میں مہارت بھی بڑی چیز ہے۔ لہٰذا تربیت اساتذہ کا شعبہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اللہ کرے اس کا باقاعدہ اجراء آپ کے حصہ میں آئے۔''

اس تجویز میں دونوں باتیں اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔ ایک تو مختلف اُمور اور فنون کے ماہرین؛ اس سلسلے میں ہم نے لاہور میں جامعۃ الخیر کا قیام محض اسی سوچ کی بنیاد پر کیا ہے کہ سند فراغت حاصل کرنے والے طلباء کو مختلف علوم وفنون میں تخصصات کروائے جائیں کیونکہ اسپیشلائزیشن کے اس دور میں کسی ایک موضوع اور فن پر کامل دسترس اور مہارت کے بغیر گزارہ نہیں۔ جامعۃ الخیر کے علاوہ بھی بعض ادارے تخصصات کے لئے کام کر رہے ہیں لیکن جس قدر کام ہونا چاہیۓ وہ بہرحال نہیں ہو رہا اس کے لئے ضروری ہے کہ طلباء کو ان کے ذوق اور رجحان کے مطابق شعبہ اور موضوع کے انتخاب کے حوالے سے دورانِ تعلیم ہی اساتذہ کرام رہنمائی اور مشاورت مہیا کریں اور فراغت کے بعد اسی شعبے میں مہارت کے حصول کے لئے محنت کی جائے۔ جہاں تک تربیت اساتذہ کا معاملہ ہے اس پر رہا مشورہ بھی ہوا، وفاق المدارس کے اکابر کو اس کی ضرورت واہمیت کا شدت سے احساس ہے۔ اس سلسلے میں جامعہ عثمانیہ پشاور صوبہ سرحد کے اساتذہ کے لئے تین روزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا جا چکا ہے جس میں صوبہ سرحد کے ڈیڑھ سو کے قریب مدارس کے اساتذہ کرام شریک ہوئے۔ اب اس سلسلے کو ملکی سطح پر وسعت دینے کا ارادہ اور ان شاء اللہ عنقریب وفاق المدارس کے زیر اہتمام پورے ملک میں تربیت اساتذہ کا مربوط اور

منظّم سلسلہ شروع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بعض اداروں میں دورہ حدیث سے فراغت کے بعد شعبان رمضان کی چھٹیوں میں باقاعدہ تربیت مہیا کی جاتی ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قسم کا کوئی شعبہ باقاعدہ وفاق کے نظم اور اکابر کی نگرانی میں ہو اور جب تک جدید فضلاء تربیت اساتذہ کورس نہ کرلیں اس وقت تک انہیں وفاق کی طرف سے سند ہی جاری نہ کی جائے۔ بلکہ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ صرف تدریس کی تربیت نہ ہو بلکہ امامت وخطابت اور اخلاقیات و معاملات کی تربیت کی ضرورت بھی بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

''3۔ موجودہ زمانہ میں قیادت کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے معاشرہ کی اصطلاحات اور مروّجہ زبانوں سے واقفیت بہت ضروری ہے، اُردو، انگریزی، عربی تحریر وتقریر کے معیاری ذوق کے بغیر عوامی ماحول میں دینی قیادت کا فریضہ انجام دینا بہت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے آج قوم ڈاکٹروں اور پروفیسروں کو زیادہ سنتی ہے۔ ان کے درس اور لیکچرز عنوان سے مربوط، جدید اصطلاحات سے بھرپور اور حالات حاضرہ پر منطبق ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جامعہ الرشید کے اہل علم سے مشاورت کر لی جائے۔''

بلاشبہ اس پیراگراف میں بھی بہت اہم معاملے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں الحمدللہ جامعۃ الرشید، جامعہ اشرفیہ، جامعۃ الخیر اور دیگر اداروں میں الحمدللہ بہت کام ہو رہا ہے جو ان شاءاللہ آنے والے چند برسوں بعد عوام کے سامنے آئے گا۔ اس حوالے سے جدید فضلاء میں جو کام جاری ہے اس کے ساتھ ساتھ میرے خیال میں اگر قدیم فضلاء اور مختلف ذمہ داریوں اور مناسب پر مامور حضرات کو متوجہ کیا جائے تو زیادہ اہم، زیادہ مفید اور فوری طور پر نتیجہ خیز ہوگا۔ ہمارے ہاں دورہ حدیث اور مروّجہ تعلیم سے فراغت کے بعد خود کو عالم وفاضل اور مکمل طور پر فارغ التحصیل سمجھ لیا جاتا ہے اور مزید تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کو اپنی شان کے منافی سمجھا جاتا ہے بالخصوص وہ حضرات جو کسی ذمہ دار اور اہم منصب پر فائز ہوتے ہیں وہ اپنی مصروفیات کا عذر کر کے سیکھنے کے عمل سے بالکل ہی غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ ہمیں آج یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سیکھنے کا عمل تو موت تک جاری رکھنے والی چیز ہے اور جب ہم خود نہیں سیکھیں گے تو ہم دوسروں کو کیا سکھائیں گے۔ اس لئے میرے خیال میں اس حوالے سے ہونے والے کام کو ذرا اوپر کی سطح پر ہونا چاہئے اور ائمہ وخطباء، مدرسین اور ارباب مدارس

کے لئے ان کے اوقات کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے سلسلے شروع کرنے چاہئیں۔

4۔ ''جس طرح آپ نے تحفظ دینی مدارس کے لئے کنونشن کیے اس سے زیادہ ضروری وفاق اور دینی مدارس کے لاکھوں فضلاء اور فاضلات کو با قاعدہ تحریک کی صورت میں ترغیب دی جائے کہ وہ ہفتہ میں دو دن اپنے ماحول میں درس قرآن وحدیث کا اہتمام پوری تیاری کے ساتھ کریں اس سے دینی مدارس کے تحفظ کا مقصد بھی حاصل ہوگا۔ نیز عوام اور علماء کا رابطہ بھی ہوگا خصوصاً دینی مدارس کے اساتذہ کے لئے یہ لازمی قرار دیا جائے۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے ملفوظات میں ہر مدرسہ کے لئے با قاعدہ ایک مبلغ رکھنا ضروری قرار دیا ہے اوراس کی تنخواہ مدرسہ کے ذمہ قرار دی ہے۔ درس قرآن کی تیاری کیسے کی جائے؟ اس کے لئے پاکستان کے بڑے دینی مدارس اپنے علاقوں کے لئے مولانا اسلم شیخوپوری اور مفتی ابولبابہ صاحب کے تین روزہ لیکچرز کا انتظام کرلیں تو بہت فائدہ ہوگا۔''

یہ بھی بہت اہم نقطہ ہے جس پر ہم سب کو توجہ دینی چاہئے۔ جس قسم کے سامعین کا حلقہ اور منبر ومحراب کی سہولت ہمیں حاصل ہے یہ نعمت اور کسی کو حاصل نہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں اوّل تو درس کا اہتمام نہیں ہوتا، اگر درس کا سلسلہ ہو بھی تو اس کے لئے تیاری اور مطالعہ نہیں کیا جاتا، پھر درس عام فہم اور عوامی زبان میں نہیں ہوتا، موجودہ دور کے حالات وواقعات پر منطبق نہیں ہوتا اگر ان کمزوریوں کی تلافی کرلی جائے تو ایک بہت بڑا انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے اور تجربہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ جن حضرات کے دروس میں مذکورہ بالا کمزوریاں نہیں ہوتیں ان کی طرف کس قدر عوامی رجوع ہوتا ہے۔

5۔ ''بڑے دینی مدارس میں کام کے پھیلاؤ کی وجہ سے ان کی اپنی ذیلی شاخوں پر گرفت بالکل ختم ہو چکی ہے خصوصاً آمد وخرچ کا انتظام اکثر مدارس میں حساب کی پڑتال کے مروّجہ اُصولوں پر پورا نہیں اُترتا جو بہت خطرناک ہے۔ نیز تعلیمی اُمور پر خرچ سے زیادہ بلڈنگ کی تعمیر و آرائش کو مقدم کیا جارہا ہے جس کی وجہ سے دشمن تیزی سے متوجہ ہورہا ہے حالانکہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اُصولوں کے مطابق قدرے سادگی اور بے سروسامانی میں حفاظت ہے اور بقول حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے کہ ''کام سوسال آگے ہو دیکھنے والا اسے سوسال پیچھے سمجھے۔''

بالکل بجا فرمایا بڑے اداروں سے وابستگی کا مقصد نظم میں بہتری اور معیار کی بلندی ہے

اور اگر خدانخواستہ یہ مقصد حاصل نہیں ہو پاتا تو بڑے نقصان والی ہے۔ جہاں تک آمد وخرچ کا معاملہ ہے اس سلسلے میں تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بالخصوص موجودہ دور میں جب تمام مدارس مختلف سازشوں کی زد میں ہیں ایسے میں نہ صرف یہ کہ مالی معاملات میں دیانۃً بہت احتیاط کی جانی چاہئے بلکہ آڈٹ سمیت جملہ دیگر قانونی تقاضے بھی پورے کرنے چاہئیں تاکہ کسی کو انگلی اُٹھانے کا موقع نہ ملے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے دونوں اقوال تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ارباب مدارس کو ان زریں جملوں کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔

6۔ ''آئندہ روشن خیالی کا بہت بڑا طوفان پوری منصوبہ بندی سے آرہا ہے میڈیا کے ذریعہ فکری انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے مشرف دور میں یہ کام اعلان کے ساتھ تھا اب اس سے بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ قانونی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے شروع کیا گیا ہے۔ ہر چھوٹے بڑے شہر میں، ہر ہر علاقہ میں ریسٹ ہاؤس کھولے جارہیں ہیں جن میں مشرف دور کے پاس شدہ قانون کے مطابق ہر قسم کی برائی کا سامان قانون کے دائرہ میں مہیا کیا جارہا ہے۔ اس انقلاب سے نسل نو کو بچانے کے لئے دو طرح کی محنت ضروری ہے۔ (1) علماء کی سرپرستی میں ایسے عصری تعلیم کے ادارے جن میں عصری تعلیم، دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ہو۔ (2) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقہ پر انفرادی ملاقاتیں، کیونکہ جسم کی حرکت اور خود چل کر جانا، اشتہار اور میڈیا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ ہم چندہ لینے تو جاتے ہیں دینی طلب پیدا کرنے کے لئے بے غرض ہو کر نہیں جاتے آخر کیا وجہ ہے؟ کہ لوگ جان و مال کی قربانی کے ساتھ بغیر اشتہار کے تبلیغی اجتماع میں تو جاتے ہیں مگر دینی مدرسہ کا معمولی جلسہ ہزاروں اشتہارات کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا۔ نیز ایسے علاقوں کے ارکان اسمبلی کو دوستانہ ماحول میں دینی مدارس میں لاکر ذہن سازی کی جائے اور دینی اُمور اسمبلی میں لانے کے لئے آمادہ کیا جائے اور مدارس کے مقصد اور نظام سے متعارف کرایا جائے، اسی طرح مختلف طبقات وکلاء، تاجر، پولیس افسران اور انتظامیہ کو بلایا جائے۔''

دونوں اُمور علماء کرام کی توجہ کے محتاج ہیں۔ عصری تعلیمی اداروں کے حوالے سے ایک بات پیش نظر رہے کہ اس میں علماء کرام کی مکمل نگرانی ہونی چاہئے ابتداً جب اس قسم کے اداروں پر علماء کی کڑی گرفت تھی اس وقت کے حالات ونتائج کچھ اور تھے لیکن اب علماء کی کامل سرپرستی اور

مکمل نگرانی نہ ہونے کے باعث یہ شعبہ زوال کی طرف جا رہا ہے اور بہت سی خرابیوں کی شکایات سامنے آنے لگی ہے اور قرآن کریم اور دین کا نام محض اپنے کاروباری اور ذاتی مقاصد کے لئے استعمال ہونے لگا ہے جس کے تدارک کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اسی طرح بالکل ابتدائی سطح کے عصری ادارے تو الحمد للہ بہت سے قائم ہو چکے ہیں لیکن اوپر کی سطح کے اداروں کی طرف بالکل دھیان نہیں اس پہلو پر بھی دیندار ساتھیوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بالمشافہ تعلق، ملاقاتوں اور دعوت کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ علماء کرام کو چاہئے کہ وہ لوگوں کی خوشی، غمی اور دکھ درد میں بالکل بے لوث اور بے غرض ہو کر شریک ہوں، خود کو عوام کا حصہ سمجھیں اور عوام سے تعلق کو محض چندے کے تعلق تک محدود نہ کر لیں بلکہ ان کی دینی خیر خواہی اور اصلاح کو مقدم رکھیں۔

7۔ ''وفاق المدارس کی طرف سے تعلیمی کیلنڈر کا اجراء کیا جائے جس میں ہر کتاب کا تین ماہ کا نصاب مقرر ہو اور تعلیمی کیلنڈر کے مطابق نصاب کی تکمیل ضروری قرار دی جائے تاکہ تدریسی اُمور میں بیلنس باقی رہے۔ فقہی ابواب میں جدید مسائل کی فہرست تیار کر لی جائے اور مسائل کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ہدایہ، مشکوۃ، ترمذی، ابوداؤد تک وہ تمام مسائل اجمالی طور پر ایک مرتبہ طلباء کی نظر سے ضرور گزر جائیں تاکہ ان سے بعد میں اجنبیت نہ ہو خصوصاً جدید معاشی و سیاسی نظریات، مغربی فلسفہ کا تعارف اور تقابلی مطالعہ وغیرہ۔''

بہت اچھی تجویز ہے اسے ان شاء اللہ وفاق المدارس کی نصابی اور امتحانی کمیٹیوں کے علاوہ مجلس عاملہ میں بھی رکھا جائے گا۔

8۔ ''شعبہ حفظ و ناظرہ دینی مدارس کا بنیادی شعبہ ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں بنیادی شعبہ پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے مگر دینی مدارس میں اس شعبہ کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ خصوصاً جنوبی پنجاب میں اس کی حالت بہت خراب ہے۔ ہر مسلمان بچہ کا واسطہ اس شعبہ سے پڑتا ہے اور ساری زندگی اس کا نقش باقی رہتا ہے۔

(الف) اہل سنت والجماعت دیوبندی مدارس میں ناظرہ کا شعبہ بالکل ختم ہو گیا ہے جبکہ بریلوی، اہل حدیث کی مساجد و مدارس میں فجر کے بعد اور سکول ٹائم کے بعد مغرب تک اہتمام سے سکول کے بچوں اور بچیوں کو ناظرہ پڑھایا جاتا ہے اسی وجہ سے ان کا عوامی رابطہ مضبوط ہے۔ اسی طرح

لاہور میں مولانا مشرف تھانوی دامت برکاتہم نے تعلیم بالغاں کے لئے مستقل جزوقتی اساتذہ اپنی شاخوں میں مقرر کیے ہیں جو ناظرہ کا شعبہ چلاتے ہیں۔''

ہمارے ہاں اس شعبے کی کمزوری کا نتیجہ ہے کہ معاشرے میں دینی مدارس کے جو اثرات ہونے چاہئیں اور جس قسم کی دینی فضا ہونی چاہئے وہ نہیں۔ہم لوگوں کی دین سے دوری کا شکوہ کرتے ہیں فوج، پولیس اور بیوکریسی کے رویے کی شکایت کرتے ہیں لیکن جس قوم کا یہ سرمایہ ہمارے ہاتھوں میں ہوتا ہے تو ہم ان کو توجہ اور وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے یہ زیادتی والی بات ہے۔ہمیں پہلے قدم پر ہی ان بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

(ب) شعبہ حفظ میں مقدار خواندگی پر چیک رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بچے کا بہت وقت ضائع ہوتا ہے خصوصاً پانی پتی قراء پانچ سے سات سال لگوادیتے ہیں اور مار سے باز نہیں آتے اور تقریباً یومیہ دس گھنٹے لیتے ہیں مگر بچہ پھر بھی کسی مجلس میں تلاوت کر کے سامعین کو متاثر نہیں کرتا حالانکہ عالم عرب کے جید قراء کی آڈیو ویڈیو کیسٹس کے ذریعہ صرف تین ماہ میں مشق کرانے سے بچہ کا لہجہ بہترین بن سکتا ہے۔

(ج) نئی تعلیم پالیسی کی وجہ سے شعبہ حفظ سے فراغب پانے والے بچے کا پرائمری ہونا ضروری ہو گیا ہے ورنہ بچہ کا تعلیمی مستقبل خراب ہونے کا خطرہ ہے۔نیا نصاب مکمل انگریزی میں ہونے کی وجہ سے کافی مسائل پیدا ہوں گے اس لئے ضروری ہے کہ شعبہ حفظ کے لئے ایسا نصاب اور طریقہ کار وضع کیا جائے جو کہ بنیادی دینی تعلیم (1) تعلیم الاسلام (2) علیکم بسنتی (3) مسنون دعائیں (4) بنیادی تجویدی قواعد اور پرائمری عصری تعلیم پر مشتمل ہو۔

(د) شعبہ حفظ کے لئے اساتذہ کی تربیت درس نظامی سے بھی زیادہ ضروری ہے جو بقدر ضرورت دینی تعلیم، طریقہ تدریس، بچوں کی نفسیات اور فن تجوید پر مشتمل ہو ورنہ بچوں کے اخلاق خراب اور وقت ضائع ہوتا ہے۔

(ھ) شعبہ حفظ میں جو اساتذہ ساٹھ سال سے متجاوز ہیں انہیں مستقل معاون دیا جائے اور ان کے بڑھاپے پر رحم کیا جائے اس طرف توجہ نہ دینے سے بچوں کے کئی سال ضائع ہوتے ہیں۔''

شعبہ حفظ کے امتحان کے حوالے سے چند روز قبل وفاق المدارس کی امتحانی کمیٹی اور

تمام اضلاع کے مسئولین کے اجلاس میں سب سے تفصیلی بحث ہوئی اور بہت سے اہم فیصلے کیے گئے۔ ان شاء اللہ آئندہ کسی نشست میں حفظ کے عمومی نظم کے حوالے سے بھی تفصیلی مشاورت ہوگی جس میں مذکورہ بالا اُمور کو بطور خاص زیر بحث لایا جائے گا۔

(و) موجودہ دور میں جس آدمی کو صبح سے رات تک پابند کیا جائے اور تنخواہ 4500 یا پانچ ہزار دی جائے تو دل پر ہاتھ رکھ کر حقیقت پسندی سے جائزہ لیں کہ کیا اس سے گھر چل سکتا ہے؟ کیا ایسے شخص سے اعلیٰ اخلاق اور تربیت کی توقع کی جاسکتی ہے؟ کیا ایسا مدرس اپنے منصب کے وقار اور عزت نفس کی حفاظت کرسکتا ہے؟ جب یہ موضوع زیر بحث آتا ہے تو وسائل کی کمی کی شکایت کی جاتی ہے، اکابر کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ جبکہ بلڈنگ کی تعمیر و آرائش کے لئے وسائل موجود ہوتے ہیں۔ فرض کریں اگر ایک وقت تنگی ہے تو دوسرے وقت اس کمی کو پورا کیا جاسکتا مگر بلڈنگ مکمل ہو جاتی ہے، اُستاد اور تعلیمی اُمور پر خرچ کو مقدم نہیں کیا جاتا۔ آئندہ پانچ سال دینی مدارس خرچ میں استاد اور تعلیمی اُمور کو ترجیح دیں اور تربیت اساتذہ پر خرچ کریں، اساتذہ کو باری باری تنخواہ جاری رکھتے ہوئے مختلف فنون اور زبانوں کے کورسز کرائیں تو معیار تعلیم بلند ہوگا اور دینی قیادت کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہوگی اگر اب بھی اساتذہ کی ضروریات اور تنخواہوں کی طرف توجہ نہ دی گئی تو یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے کہ جید علماء اور مدرسین کی اولاد بھی دینی تعلیم و تدریس کے شعبہ کو چھوڑ کر بلکہ بدظن ہو کر دوسرے شعبوں میں منتقل ہو رہی ہے اور شعبہ حفظ کے مدرسین گھر گھر ٹیوشن پڑھا رہے ہیں یا درسگاہ میں ان بچوں پر توجہ دیتے ہیں جن سے خدمت کی توقع ہو۔ اس سلسلہ میں دارالعلوم کراچی کے مالیاتی نظام اور طریقہ کار سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

جی ہاں! یہ بالکل بہت ہی اہم معاملہ ہے اور ارباب مدارس کو اِسے نہایت سنجیدگی سے لینا چاہئے اس وقت ملکی سطح پر کم از کم تنخواہ کیا چل رہی ہے اور ہمارے مدارس کا کیا حال ہے؟ اس معاملے پر ہنگامی بنیادوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔''

(ز) ''شعبہ حفظ کے امتحانات خواہ وفاق کے ہوں یا مدارس کے صرف خانہ پُری ہوتی ہے۔ حالانکہ امتحان کے لئے سال میں کئی مرتبہ سبق بند رکھا جاتا ہے۔ بعض بچوں کا سال میں مجموعی طور پر چار ماہ سبق بند رہتا ہے اور آئندہ دس سال تک رمضان المبارک موسم گرما میں آرہا ہے جس سے

سبق بند ہونے کا دورانیہ مزید بڑھ جائے گا۔اس کے لئے بھرپور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ قراءحضرات کے ہاں طلباء کا پڑھتے پڑھتے جوان ہو جانا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔حالانکہ اس کی وجہ سے حافظ بچوں میں دین سے دوری اور بغاوت پیدا ہو رہی ہے۔''

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا کہ وفاق المدارس میں حفظ کے امتحان کے حوالے سے بہت اہم فیصلے کیے ہیں جو خط کی صورت میں تمام ممتحنین کو ارسال کیے جا رہے ہیں ان فیصلوں کو ماہنامہ وفاق المدارس میں بھی شائع کر دیا جائے گا تا کہ مدارس اپنے امتحانات میں ان اُمور کی رعایت کریں۔

9۔ ''مختلف علوم کے تخصصات کے لئے عالم عرب کے جامعات کے نصاب سے بھی استفادہ کیا جائے اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے مشاورت جاری رکھی جائے اور جامعۃ الرشید کے تجربات سے بھی فائدہ اُٹھایا جائے۔

10۔ دینی مدارس کے لئے جو آزمائش کے حالات ہیں اس کی سب سے اہم وجہ دینی خدمات انجام دینے والوں میں ''و تبتل الیه تبتیلا ، فاذا فرغت فانصب ، و اسجد و اقترب '' کے اہم حکم میں غفلت ہے حالانکہ حضورﷺ کی تمام مصروفیات دینی ہی تھیں مگر پھر بھی تنہائی میں رابطہ کا حکم دینا اور خالص ذکر و عبادت میں اتنا لگنا کہ تھکاوٹ محسوس ہو ضروری قرار دیا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو ایک خط تحریر فرمایا تھا کہ ہر دینی ادارہ میں باری باری ایک جماعت تشکیل کی جائے جو خالص ذکر و عبادت اور دعا میں مشغول رہے۔''

اس پہلو پر ارباب مدارس کو ویسے بھی توجہ دینی چاہئے لیکن موجودہ پرفتن اور سازشوں اور شراتوں سے بھرپور دور میں تو ان احکامات پر عمل کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے۔

''اللہ پاک نے آپ کو ہزاروں مدارس کی قیادت کا ایک دفعہ پھر موقع عطا فرمایا اس لئے دینی مدارس سے خاندانی تعلق کی وجہ سے اپنا مشاہدہ تفصیل سے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اُمید ہے کہ آپ ان پر غور کر کے دینی مدارس کے داخلی معاملات کے لئے بہتر منصوبہ بندی فرمائیں گے۔''

والسلام آپ کی دینی بہن

اللہ آپ کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔ہم تمام اہل مدارس اپنی اس گمنام دینی بہن یا بھائی کے لئے تہہ دل سے دعا گو ہیں۔اللہ آپ کی فکر اور احساس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور

آپ نے جن اہم اُمور کی طرف متوجہ کیا ہے اللہ رب العزت ہمیں ان پر توجہ دینے اور اپنے سسٹم کی اصلاح کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین

صہیونیت کیا ہے؟

صہیونیت کے ابلیسی منصوبوں کا پردہ چاک کرنے والی دنیا کی واحد مستند کتاب قرآن مجید ہے

انجینئر مختار فاروقی

صہیونیت کے مذموم عزائم کو بے نقاب کرنے والی واحد کتاب قرآن مجید ہے۔حسب وعدہ صہیونیت سے روشناسی کے اس سلسلے کا پہلا مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔تاہم بعض ناگزیر وجوہات کی وجہ سے ہم اس پہلے مضمون کو دو قسطوں میں دینے پر مجبور ہوئے ہیں چنانچہ اگلے ماہ اس عنوان کا بقایا حصہ شامل اشاعت کیا جائے گا جس میں صہیونیت کے خدوخال زیر بحث آئیں گے۔(ادارہ)

ابلیس، شیطان، صہیونیت، یہود اور ہنود کے الفاظ سے کون واقف نہیں یہ سب الفاظ ایک خاص درجے پر دوسرے کے مترادف الفاظ ہیں اور شعوری اور غیر شعوری طور پر ہر شخص اس کو سمجھتا ہے، دنیا کی تاریخ میں ان الفاظ نے جو قیامتیں برپا کی ہیں اس کی تاریخ اور تفصیل بیان سے باہر ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدة۔13)

''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو

سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کی خطائیں معاف کردو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست دیکھتا ہے۔"

ابلیس تو تھا ہی راندۂ درگاہِ ہستی۔ تاہم اس ابلیس کے منصوبوں میں آلہ بن کر استعمال ہونے والا طبقہ یہود کا ایک حصہ ہے جو ZOINS اور ZOISISTS کہلاتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ 'صہیون' اور 'صہیونیت' کیا جاتا ہے۔ ابلیس جنّوں میں سے تھا مگر اس ابلیس کے نسل ِ انسانی میں آلۂ کار بننے والے طبقے (مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ) نے نسل انسانی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ اگر انسانوں کا یہ ایک منظّم، مربوط اور فدائی طبقہ ابلیس کا آلہ کار نہ ہوتا تو شاید دنیا کی تاریخ ہی مختلف ہوتی۔

جہاں تک اس راز اور حقیقت کا تعلق ہے کہ ابلیسیت کیا ہے؟ صہیونیت کیا ہے؟ یہود کے عزائم کیا ہیں یہود اور ہنود کیسے ایک ہیں؟ ان کے کون کون سے منصوبے پورے ہو چکے ہیں اور کون کون سے منصوبے باقی ہیں ان منصوبوں میں کامیابی کے لئے وہ کون کون سے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ یہ سوالات اور اس قسم کے دیگر سوالات پر کئی کتابیں انسانوں نے لکھی ہیں اور اکثر اوقات جان پر کھیل کر لکھی ہیں اور بعض مصنّفین کو اس 'راز' کے افشا کرنے پر زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے ہیں۔ صہیونیت نے ہر اُس شخص پر ہاتھ ڈالا ہے جس نے اس موضوع کو چھیڑا ہے اور اس کی کتاب اور تحریر کو صفحۂ ہستی سے غائب کرنے کی کوشش کی ہے جیسے وہ کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ یہاں تک کہ وہ کتابیں جو بالواسطہ طور پر ابلیسیت اور صہیونیت کا رشتہ آشکار کرتی ہیں وہ کتابیں اور مصنّفین زندگی میں ہی نشانِ عبرت بنا دیے گئے ان کی کتاب کو 'اچھوت' بنا دیا گیا اور ان مصنّفین کا تذکرہ اور نام اہل علم کی فہرست سے خارج کرا دیا گیا مغرب میں 1976ء میں چھپنے والی کتاب THE HUNDREDS اور اس کے مصنف MIECHAL HEART کے ساتھ یہی ہوا ہے اُس کتاب کو ہوا لگنے دی گئی نہ اس کتاب کا اور اس کا تذکرہ مغرب کی لائبریریوں کے CATALOUGE میں کہیں ہے اس کے مصنف کا تذکرہ دنیا کے معروف مصنّفین کے

ناموں میں کہیں نہیں ہے۔حتیٰ کہ آج دنیا کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ مصنف آج زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے۔زندہ ہے تو کہاں ہے اور مردہ ہے تو کب فوت ہوا فاعتبروا یا اولی الابصار

اس تناظر میں دنیا کی واحد کتاب جو صفحۂ ہستی پر موجود ہے اور جو بڑے یقین اور اعتماد کے ساتھ ابلیسی اور صہیونی منصوبوں کا پردہ چاک کرتی ہے وہ ہے 'قرآن مجید'۔

اس کتاب کے بیان حتمی اور AUTHENTIC اس لئے ہیں کہ وہ الہامی ہے اور REVEALED ہے قرآن مجید کی دوسری خوبی یہ ہے وہ ایک محفوظ کتاب ہے اس کے تراجم تو موجود ہیں ہی اور دنیا کے کونے کونے میں موجود اور دنیا کی کم و بیش تمام بڑی زبانوں میں میسر تاہم......اس کتاب کا متن بھی محفوظ و موجود ہے بخلاف توراۃ اور انجیل کے، اُن کے تراجم تو ہیں ان کا اصل متن عوام کو تو کہاں ملے گا خواص کو بھی میسر نہیں ہے اور نہ ہی اُس تک اہل علم کی رسائی ممکن ہے یہ حقیقت ایک کافی وشافی دلیل ہے کہ توراۃ وانجیل کے موجود تراجم اصل متن سے بہت مختلف بلکہ متضاد ہیں ورنہ متن کو چھپا کر رکھنے کی کوئی معقول وجہ اہل کتاب اور اہل مغرب کے پاس نہیں ہے۔اصل متن سے مراد ہے اس زبان کی اصل عبارت جس میں وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں اور دوست تو دوست دشمن بھی تاریخی تسلسل کے ساتھ گواہ ہیں کہ قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا تھا اور جو کتاب (TEXT) پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو دیا تھا وہ TEXT بھی محفوظ ہے اور دنیا کے ہر کونے میں بآسانی AVAILABLE ہے اور مسلمانوں میں اس امر کا بہت لحاظ ہے اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ متن کے بغیر صرف ترجمے والا قرآن مجید چھاپنا اور عام کرنا ایک جرم اور تحریف قرآن کے امکان پیدا کرنے کا موقع دینے کے مترادف ہے۔

یہ 'قرآن مجید' بطور کتاب 'یہود' اور صہیونیت کے (ابلیسی عزائم کے) سینے میں پیوست ایک خنجر ہے اور وہ برگزیدہ ہستی جس نے نوع انسانی کو ان ابلیسی ہتھکنڈوں اور منصوبوں سے آگاہ کیا اور اس قرآن مجید کے بعض مجمل حصوں کو اپنے فرامین (احادیث) میں واضح فرما دیا اور ان کے انسانیت کش عزائم کو بے نقاب کر دیا۔آپ ﷺ دنیا کے ہر حصے میں بسنے والے انسانوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہیں اسی لئے آپ ﷺ محسن انسانیت بھی ہیں اور رحمت للعالمین بھی، فخر انسانیت بھی ہیں اور معراج انسانیت بھی۔یہی وجہ ہے کہ ابلیسیت اور صہیونیت قرآن مجید کے

ساتھ ساتھ قرآن مجید کے لانے والے حضرت محمد ﷺ کے بھی ازلی اور جانی دشمن تھے۔

چودہ سو سالہ تاریخ انسانی اس دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے نیز قرآن مجید اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی دشمنی ــــــــــ عملی شکل میں ہر دور کے مسلمانوں کی دشمنی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، جو اہل علم کے نزدیک انسانی تاریخ کے لئے ایک المیہ سے کم نہیں ہے۔

ہم یہ بات یہاں ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق سب یہود ایک جیسے نہیں ہیں قرآن پاک یہود کے بعض گروہوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کی حق شناسی اور حق پرستی کی داد دیتا ہے۔ تاہم اس حقیقت کے پس منظر میں کہ حضرت محمد ﷺ کے دور میں یہود دنیا بھر میں پھیل چکے تھے اور وہ 70ء کے بعد دور انتشار (DIASPORRA) سے گزر رہے تھے اور مدینے کے علاوہ بھی بے شمار مقامات پر دنیا میں بس رہے تھے۔

یہود کے اہل حق گروہوں کے ساتھ ساتھ صہیونیت کے پرستاروں کے گروہ کہاں کہاں تھے اور اُن کی سرگرمیاں کیا تھیں یہ تو عام تاریخ کے ریکارڈ میں نہیں ہے شاید یہود کی اپنی تاریخ کے اوراق میں انہیں کے پاس محفوظ ہو۔ تاہم ــــــــــ یہ ایک بات بالکل عیاں ہے کہ قرآن مجید یہود کے ایک اہل حق گروہ کی نشاندہی کے باوجود مدینے میں آباد یہودی قبائل میں سے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں کی تعداد شاذ (NEGLIGIBEL) کے درجے میں ہے اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مدینے میں آباد ہو کر حضرت محمد ﷺ کا انتظار کرنے والے یہود دراصل آپ پر ایمان لانے کے متمنی ہو کر 'ہجر' کے دن نہیں گزار رہے تھے بلکہ مدینے میں آباد تینوں قبائل صہیونیت کے پرستار تھے اور حضرت محمد ﷺ کی دشمنی اور ان کو نقصان پہنچانے کی غرض سے وہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ یہ بات یقیناً ایک مفروضہ ہوتی اگر آپ ﷺ کی مدنی زندگی کے دس سال اور بالخصوص ابتدائی سال اس یہودی مسلم آویزش کا بانگ دہل گواہی نہ دے رہے ہوتے۔ مدینے میں ہجرت سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک یہود کا معاندانہ رویہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ صہیونیت کے دلدادہ اور پرستار تھے اور اپنے تئیں ہر اُس کارروائی کو جائز سمجھ کر رہے تھے جو حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور مشن کے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ یہ الگ بات ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

ے حیات ایک زمانہ ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے قصہ قدیم و جدید

مندرجہ بالا شعر میں علامہ اقبال نے ایک بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی وہی ہے، کائنات بھی وہی ہے، انسان بھی ہے، قانون قدرت بھی وہی ہے، نفسیات انسانی بھی ہے تو اس کائنات کے مختلف ادوار میں انسانی سوچ، میلانات، ترجیحات اور نظریات کیسے بدل سکتے ہیں۔ دنیا کی پہلے انسانی آبادی کے لوگوں کے مسائل بھی وہی تھے جو آج ہیں انسانی رجحانات جو کل تھے وہی آج بھی ہیں۔

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے بہت سی نادر خوبیاں اور بعض متضاد رجحانات بھی ودیعت کیے ہیں کہ وہ ان میں سے اچھے کو اپنے لئے منتخب کر کے سرخرو ہو اور......اگر وہ دوسرا راستہ اختیار کرے تو رب کائنات ا''لرحمٰن'' کی رحمت سے محروم ہو جائے۔

قدیم معاشروں میں بھی غلط سوچ کے حامل بگڑے ہوئے انسان موجود تھے۔ ضمیر کی ملامت، برائی بے حیائی اور بد دیانتی پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے گو اُس میں انسانی آبادی میں بے پناہ اضافہ اور اجتماعیات کے علم میں فروغ یعنی ریاست کے قیام سے اور انسانی وسائل میں بے پناہ ترقی نیز ذرائع آمد و رفت میں اضافہ سے مختلف معاشروں کے درمیان رابطوں میں اضافہ کے باعث اچھائی کی طرح برائی کا بھی وقت کے ساتھ ساتھ ایک NETWORK بنتا چلا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے معاشرے الگ الگ اکائیاں تھے ذرائع آمد و رفت میں کمی تھی لہٰذا ایک تہذیبی مرکز کا خدائی کا دعویدار چند سو میل کے فاصلے پر پہچانا بھی نہیں جاتا تھا اور اس کی خدائی ختم ہو جاتی تھی وہاں کوئی اور شخص یہی شیطانی دعویٰ لے کر کھڑا ہوتا تھا۔ مگر قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کی قوت اور انبیائے کرام کی تعلیمات کو تکمیل کی شان عطا کرنے اور 'اتمام' کے لئے ایک انسانی معاشرے کو انسانی اقدار کی اٹھان، فروغ اور ترویج کے لئے منتخب فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور کتاب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے مختص کر دی۔ یہ تاریخ انسان کا ایک اہم باب ہے اس سے جہاں انسانی سوچ میں تسلسل اور تعلیم کے اُصولوں کے عین مطابق پہلی جماعت سے 'انسان' کو تعلیم دے کر ایم اے / پی

ایچ ڈی لیول کے ذہن تک پہنچا دیا گیا اور یوں آسمانی ہدایت کو قیامت تک کے لئے انسانی ذہن کے تمام سوالات کے جواب دینے کے قابل بنا دیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کی تکمیل کر کے ختم کر دیا۔ ختم نبوت اور ختم رسالت کا یہی پس منظر ہے۔

اس دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی شیطان کا تذکرہ ہے اور یوں خیر و شر کا ایک سلسلہ جاری ہے اور جب تک اور جہاں تک انسان کی تگ وتاز ہے یہ معرکہ خیر وشر جاری رہے گا اور شیطان اپنی ذریت معنوی وصلبی کے ساتھ آسمانی ہدایت، پیغمبروں کی تعلیمات اور خدا شناسی کی منزل سے انسانوں کو گمراہ کر کے بے حیائی حیوانیت اور محض خواہشات کی پیروی پر اُکساتا رہے گا۔

مگر اس کائنات میں شر کی انسانی قوتیں بھی ہیں، وہ بھی فارغ نہیں بیٹھیں۔ پہلے ابلیسی سوچ کے حامل افراد اور ابلیس کی ذریت معنوی وصلبی دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد پر دب جاتے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات پر پھر سامنے آجاتے تھے اور 'شیر' ہو جاتے تھے اور یوں ابلیسی اور شیطانی طاقتیں وقت کے رسولوں کے مدمقابل ہو جاتی تھیں اور اللہ کے رسولوں کی جماعت کو عالم اسباب میں پریشان کیے رکھتی تھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قانون عذاب الٰہی کے تحت مختلف قومیں، تہذیبیں اور معاشرے تباہی اور عذاب استیصال کا شکار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کتاب اور پیغمبری کے مختص ہونے نیکی کے فروغ کے لئے ایک حزب اللہ کی تشکیل کے اسباب پیدا ہوئے تو ردعمل کے طور پر شیطان لعین اور اس کی ذریت کو بھی مواقع مل گئے۔ یہیں سے ایک ابلیسی گروہ کی تشکیل کی داغ بیل پڑ گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک اسماعیل علیہ السلام جنہیں مکہ میں آباد کیا گیا۔ دوسرے بیٹے تھے اسحاق علیہ السلام جنہیں فلسطین میں آباد کیا گیا حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں قرآن پاک میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ایک ایسے گروہ کا سراغ ملتا ہے جو باپ یعنی آسمانی ہدایت سے بغاوت اور سرکشی و بیزاری کے رجحانات رکھتا تھا......یہیں سے اس ابلیسی گروہ کی تشکیل کا کام شروع ہوا حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ قرآن مجید میں اس ضمن جو اشارات اور تبصرے ہیں ان کی روشنی میں اس ابلیسی

گروہ کے خدوخال ان شاءاللہ اگلے شمارے میں شامل کئے جائیں گے۔

توہین رسالت ﷺ کے خلاف ردعمل کوموثر کیسے بنایا جائے؟

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

اس حقیقت سے ہر مسلمان اور ہر پاکستانی واقف ہے کہ امریکہ اور یورپ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اگرچہ ہم مغرب کی طاقت سے خوفزدہ ہوکر، اس کی غالب فکر وتہذیب سے مرعوب ہوکر، اس کی زبردست پروپیگنڈا مشینری سے متاثر ہوکر، بین الاقوامی سطح کے سیاسی پلیٹ فارموں پر 'ڈپلومیٹک' (یعنی منافقانہ) انداز اختیار کرتے ہوئے اور گلوبلائیزیشن اور مذہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کے علمی پلیٹ فارموں پر معروضی انداز اختیار کرنے کے زعم میں بالعموم اس کا اظہار نہیں کرتے یا نہیں کرپاتے۔ اور یہ بات آج کی نہیں صدیوں پرانی ہے بلکہ مغربی تہذیب کا خمار اٹھا ہی اسلام اور مسلمان دشمنی پر ہے جب 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرلیا اور مشرقی رومن کیتھولک ہیڈکوارٹر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو وہاں سے نکلنے والے عیسائی پادریوں نے سارے یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں سے آگ لگادی اور اس سے یورپ کی نشأۃ ثانیہ نے تحریک پکڑی۔ متحدہ یورپ کی طرف سے شروع کردہ صلیبی جنگیں بھی اسی کا مظہر تھیں اور یہ بھی اسی کا شاخسانہ تھا کہ یورپ نے مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لئے سازشیں کیں اور انہیں کمزور کرکے اپنی برتر فوجی قوت سے انہیں

بہیمیت سے کچلا اور ان کے ملکوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر مسلم تہذیب کی ایک ہزار سالہ خوشحالی سے جمع کردہ مسلمانوں کی دولت اور مادی وسائل کو بے دردی سے لوٹا اور ان سے سائنس وٹیکنالوجی کو ترقی دے کر اپنے رخساروں کی لالی میں اضافہ کیا۔ وسط بیسویں صدی میں باہم دو عظیم جنگوں سے جب یورپ کمزور ہو گیا تو اسے مجبوراً مسلم ملکوں کو آزادی دینا پڑی۔ اس ادھوری اور نام نہاد آزادی کے بعد بھی امریکہ و یورپ کی مسلمان ملکوں کے خلاف پُر امن سازشیں اور پلاننگ جاری رہی اور وہ انہیں سیاسی، معاشی، دفاعی، تعلیمی غرض ہر لحاظ سے پیچھے رکھنے کے لئے کامیاب کوششیں کرتے رہے۔ ان شازشوں کے باوجود جب چند مسلم ممالک بطور استثنیٰ کچھ بہتر حالت میں آگئے (جیسے پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا، ملائشیا اقتصادی طور پر اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا، عراق دفاعی طور پر مضبوط ہو گیا، افغانستان نے حقیقی اسلامی حکومت قائم کرلی) تو امریکہ نے یورپ کو ساتھ ملا کر حیلے بہانے سے پہلے عراق کو برباد کیا، پھر افغانستان کو تہہ و بالا کیا اور اب پاکستان پر حملے ہو رہے ہیں اور ایران پر بھی مستقل دباؤ جاری ہے۔

اس ساری صورت حال کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ امریکہ و یورپ اسلام کے بدخواہ اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ 9/11 کا واقعہ سی آئی اے اور موساد کی ایک وسیع الاطراف سازش تھی جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک پر حملہ کر دیا۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مغربی رائے عامہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کر دیا جائے تا کہ اہل مغرب ان مسلمانوں سے اور ان کے دین سے نفرت کرنے لگیں جو وہاں مقیم ہیں اور یوں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے دور رکھا جاسکے تا کہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔ اس مہم کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے کم نظر ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے اسلام اور مسلم دشمن کاروائیاں شروع کر دیں۔ نبی کریم ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی اور آپ ﷺ کی سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنے کا کام تو وہ صدیوں سے کرتے آرہے تھے اب تازہ حالات میں انہیں نئی کمک ملی تو وہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کے اخبارات و انٹرنیٹ پر کارٹون بنانے لگے، فلمیں بنانے اور مضامین لکھنے لگے اور یوں مسلمانوں کو مشتعل کر کے اور ان کا مذاق اُڑا کر اپنی حسِ باطل کو تسکین دینے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں نے اپنے اسلام دشمن اقدامات الگ جاری رکھے جیسے فرانس اور جرمنی میں حجاب پر پابندی اور سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے

میناروں پر پابندی......وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان اس صورت حال سے کس طرح مؤثر طریقے سے نمٹ سکتے ہیں کہ اہل مغرب اپنی کمینی حرکتوں سے باز آجائیں اور انہیں احساس ہو جائے کہ وہ غلط کر رہے ہیں اور ان کے اقدام سے کروڑوں مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے ہیں؟اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم عرض کریں گے کہ مسلمان اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کا جواب دینے کے لئے دوطرح کے اقدامات کر سکتے ہیں: ایک فوری نوعیت کے اقدامات اور دوسرے دیرپا اور دوررس اثرات رکھنے والے اقدامات۔

فوری اقدام کے طور پر جو احتجاج کیا جائے اس کے خدوخال یہ ہونے چاہئیں:

1۔ عوامی احتجاج،جس میں تین خصوصیات ہوں:

احتجاج میں لاکھوں افراد شریک ہوں، یہ پُرامن ہو، یہ عالمی سطح کا ہو۔

2۔ حکومتی سطح پر احتجاج 3۔ استغفار

اب ہم ان نکات پر کچھ روشنی ڈالیں گے:

عوامی احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے جواب میں بھرپور عوامی احتجاج ہونا چاہیے لیکن اس احتجاج کے مؤثر ہونے کی تین شرائط ہیں:

1۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے عوامی سطح پر بڑے بڑے اور پُرامن مظاہرے ہونے چاہئیں جن میں لاکھوں افراد شریک ہوں اور جن کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر پبلسٹی کا بھرپور انتظام ہو، پاکستان میں اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ سارے دینی عناصر یکجا اور متحد ہو جائیں۔اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر جماعت اور تنظیم اپنی اپنی پارٹی کے جھنڈے اور بینرز اٹھائے ہوئے چندسو کی تعداد میں سڑکوں پر نکلتی ہے۔یہ چھوٹی چھوٹی ریلیاں ایک طرف عالمی سطح پر (یاد رہے کہ یہ کوئی مقامی مسئلہ نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے اور ہمیں اس طرح سے احتجاج کرنا ہے جس کے اثرات یورپ وامریکہ تک پہنچیں) کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتیں (اگرچہ نہ ہونے سے بہرحال بہتر ہیں لیکن یورپ وامریکہ میں دیکھئے کہ مثلاً عراق

پرامریکی حملے کے خلاف وہاں لاکھوں افراد کے مظاہرے ہوئے) دوسری طرف یہ ہمارا پول کھولتی ہیں کہ ہم اپنے نبی مکرم (ﷺ) کے ناموس کے لئے بھی متحد نہیں ہوسکتے اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کو اپنا تشخص اور اپنا نام اتنا عزیز ہے (یعنی ناموس رسالت سے بڑھ کر عزیز ہے) کہ وہ اس مقصد کے لئے بھی اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اولاً تو یہ ضروری ہے کہ ساری قوم اور ساری تنظیمیں ر جماعتیں رتحریکیں اور ادارے مل کر اس مقصد سے ایک تنظیم بنالیں اور اس مقصد سے بنائی گئی موجودہ تنظیمیں باہم مدغم ہوکر ایک بڑی تنظیم بن جائیں یا کم از کم وہ اشتراک عمل ہی کرلیں۔لیکن اگر ہم یہ نہیں کرتے تو اس کا کیا مطلب لیا جاسکتا ہے سوائے اس کے کہ ہمیں ناموس رسالت کے مقابلے میں اپنی تنظیم، جماعت اور اپنے مسلک کا تشخص زیادہ عزیز ہے،العیاذ باللہ۔

ہمیں یاد ہے کہ ماضی میں بعض سیاسی جماعتوں کی دیکھا دیکھی بعض دینی جماعتوں نے بھی اپنی قوت کے اظہار کے لئے ملین مارچ کیے تھے۔ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سوال کا سامنا کرنا چاہیے کہ کیا ہمیں اپنی جماعت کی ساکھ نبی کریم (ﷺ) کی حرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے کہ ہم اپنی سیاسی ساکھ کے لئے تو ملین مارچ کا اہتمام کرتے ہیں لیکن اس پیغمبر کی بے حرمتی ہو جس سے محبت ہمارا جزو ایمان ہے تو اس کے لئے ہم چند سو افراد کی ریلی نکال کر مطمئن ہو جائیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کے لئے ساری قوم کو متحد ہوکر نکلنا چاہیے جس طرح کہ ماضی میں شان اسلام کا جلوس نکلا تھا۔

2۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ احتجاج پُرامن ہو۔ٹریفک کے اشارے توڑنا، گاڑیوں پر پتھراؤ کرنا، دکانوں، بنکوں اور اقوام متحدہ و مغربی ممالک سے متعلق دیگر عمارات کو آگ لگانا یا متعلقہ ممالک کے پرچم یا پتلے جلانا......جیسے اقدامات احمقانہ ہیں؛ کیوں کہ ہم اس نہ صرف اپنا مالی نقصان کرتے ہیں بلکہ اہل مغرب کو یہ پیغام بھی دیتے ہیں کہ ہم واقعی تشدد پسند ہیں۔ پھر ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ عوامی تحریکیں اسی وقت کامیاب ہوتی ہیں جب وہ پُرامن ہوں۔جو تحریک تشدد پر اتر آئے وہ ناکام ہوجاتی ہے کیونکہ ریاست کو اسے کچلنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ پاکستان میں حال ہی میں کامیاب ہونے والی وکلاء تحریک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

3۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف احتجاج مقامی یا ملکی سطح کا نہیں بلکہ عالمی سطح کا ہونا چاہیے۔ یہ عالم اسلام کے ہر ملک میں ہونا چاہیے اور ان ملکوں میں بھی ہونا چاہیے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کیونکہ ایک مسلمان جہاں بھی ہو جب اس کے رسول مکرم (ﷺ) کی توہین ہوگی تو اس کا دل دکھے گا۔ کسی ایک یا دو ملکوں میں احتجاج ہونا بے معنی بھی ہے اور بے تکا بھی جسے غیر مسلم دنیا نہیں سمجھ سکے گی کیونکہ اگر مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہوئی ہو تو یہ ہر مسلمان کا اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ ہونا چاہیے نہ کہ محض کسی ایک یا دو ملکوں کا۔ مثلاً حال ہی میں فیس بک پر کارٹون بنانے کے مقابلے کا اعلان ہوا تو احتجاج صرف پاکستان میں ہوا یا تھوڑا بہت بنگلہ دیش میں، عالمی سطح پر یہ احتجاج بہرحال اپنے اثرات کے حوالے سے زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوا کیونکہ دوسرے مسلم ممالک اس میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ اس سے پاکستان کے بارے میں یہ تاثر لازماً دنیا تک پہنچا ہوگا کہ یہاں کے عوام دوسروں سے زیادہ جذباتی اور 'انتہا پسند' ہیں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ عالم اسلام میں عوامی سطح پر رابطے اور تعاون کی جو دو تنظیمیں تھیں وہ دونوں غیر فعال ہو چکی ہیں۔ ہماری مراد مؤتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی سے ہے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا کہ وہ ایک نئی تنظیم بنائیں۔ اس کی فطری صورت تو یہی ہے کہ پہلے پاکستان میں ایک ایسی تحریک حرمت رسول (ﷺ) بنے جس میں یہاں کے سارے دینی اور شہری عناصر شریک ہوں۔ پھر یہ تحریک دوسرے مسلم ممالک کی دینی تحریکوں اور اسلامی عناصر سے رابطہ کرے اور اس طرح ہر مسلمان ملک میں ایک تحریک حرمت رسول (ﷺ) وجود میں آ جائے۔ پھر ان ساری حرمت تحریکوں کا ایک ہیڈ آفس بنا دیا جائے۔ اس طرح سارے مسلم ممالک کی تحریک ہائے حرمت رسول (ﷺ) کا ایک نیٹ ورک وجود میں آ جائے۔ اس نیٹ ورک کو ان ممالک میں بھی پھیلا دیا جائے جہاں مسلمان بڑی اقلیتوں کی صورت میں ہیں۔ یہ نیٹ ورک اگر بن جائے اور ایک عالمی تحریک حرمت رسول (ﷺ) وجود میں آ جائے جس کی ایک کال پر ساری دنیا میں توہین رسالت کے خلاف احتجاج منظم ہو جائے تو پھر یہ احتجاج ان شاء اللہ مؤثر بھی ہوگا۔

حکومتی سطح پر احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف صرف عوامی سطح پر احتجاج کافی نہیں بلکہ مسلم حکومتوں کو بھی اس پر احتجاج کرنا چاہیے۔ مسلمان حکومتوں کی تنظیم او آئی سی کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے حالات میں فوراً حرکت میں آئے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ مسئلہ اٹھائے۔ سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلوائے اوراس سے پہلے دباؤ بڑھانے کے لئے عالم اسلام کے وزراء خارجہ کا ہنگامی اجلاس بلائے۔ اس کے سربراہی اجلاس میں اس مسئلے کو فوقیت دے۔ اصولاً تو یہ سب ہونا چاہیے لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ او آئی سی غیر فعال ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ گہری نیند میں ہے۔ اس کا سبب بھی ہم سب کو معلوم ہے کہ سعودی عرب، پاکستان اور دوسرے بہت سے اسلامی ملکوں کے حکمران امریکہ ویورپ کے لے پالک اور گماشتے ہیں۔ ان کی حیثیت غلاموں کی سی ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف گردن بھی نہیں ہلا سکتے۔ اس غلامی نے انہیں دینی حوالے سے بھی بے حمیت بنادیا ہے یہاں تک کہ وہ جس نبی (ﷺ) کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کی توہین پر بھی امریکہ ویورپ سے شکایت نہیں کر سکتے۔ اس ذہنی وسیاسی غلامی کا یہ بھی شاخسانہ ہے کہ اقوام متحدہ میں دنیا کے پونے دوارب مسلمانوں کی اور ان کی نمائندہ تنظیم او آئی سی کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہاں تک کہ وہ سلامتی کونسل کے رکن بھی نہیں۔ ان حالات میں اب اس کا کوئی حل نہیں سوائے اس کے کہ ان مسلمان ملکوں کی دینی جماعتیں اور تنظیمیں متحد ہو کر اور بڑے بڑے مظاہرے کرتے ہوئے اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ متعلقہ مغربی ممالک سے اور اقوام متحدہ سے رسمی طور پر اور سرکاری سطح پر شدید احتجاج کریں۔

امت کے اہل فکر و تدبر اور دانشوروں کو اس پر بھی سوچنا چاہیے کہ مسلم امت میں عوام اور ان کے حکمرانوں میں بُعد کو کیسے ختم کیا جائے اور مسلم عوام اور حکمرانوں کو مغرب کی ذہنی، فکری، سیاسی اور معاشی غلامی سے کیسے نجات دلائی جائے؟ اس غرض سے مسلم امہ کو اپنے ہاں تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینک قائم کرنے چاہئیں تا کہ امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے اور سر اٹھا کر جینے کی حکمت عملی پر بحث و تحقیق اور منصوبہ بندی کا آغاز ہو سکے اور اس کے لئے ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔

استغفار و توبہ

نبی مکرم (ﷺ) کی اہانت ہم مسلمانوں کے لئے کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ یہ بہت بڑا سانحہ اور مصیبت ہے اور یہ ہمارے گناہوں اور اللہ و رسول (ﷺ) کے احکام کی نافرمانی اور معصیت کا نتیجہ ہے لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور کثرت سے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے اور اصلاح احوال کی فکر کرنی چاہیے۔ جو دینی تحریکیں اور تنظیمیں حرمت رسول (ﷺ) کے سلسلے میں جلسے جلوس نکالتی ہیں انہیں چاہیے کہ وہ جلسے جلوسوں میں درود شریف پڑھنے کے ساتھ استغفار کا ورد بھی کروائیں اور ہو سکے تو اجتماعی توبہ کے دو نفل بھی پڑھے جائیں۔ تاکہ مسلمانوں کو احساس ہو کہ ان کی اس مصیبت کا اصل سبب ان کی دین سے دوری اور اللہ و رسول کی نافرمانی ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بے وقعت ہو کر رہ گئے ہیں یہاں تک کہ ان کے دشمن ان کے پیغمبر کا مضحکہ اڑانے کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور آئے روز یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اصولی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دین سے محکم وابستگی اختیار کرنی چاہیے تاکہ دنیا میں بھی ان کی عزت و وقار ہو اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں۔

یہ تھے وہ چند اقدامات جو ہماری رائے میں مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے کسی اقدام کے نتیجے میں مسلمانوں کو فوراً رُو بہ عمل لانے چاہئیں۔ اب آیئے ان دورس اقدامات کی طرف جو مسلمانوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر اور منصوبہ بندی سے کرنے چاہئیں تاکہ مستقبل میں اس قسم کے واقعات کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ اس غرض سے مسلمانوں کو اہل مغرب کی دشمنی کے پیچھے پوشیدہ ان غیر اعلانیہ اور غیر تحریری مقاصد و اہداف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو ہماری طالب علمانہ رائے میں یہ ہیں:

1۔ مغربی منصوبہ سازوں کی خواہش یہ ہے کہ مغرب میں اسلام کو پھیلنے سے روکا جائے۔ اس غرض سے وہ مسلمانوں اور ان کے دین و پیغمبر کو دہشت گرد اور دہشت گردی کا حامی اور علمبردار ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ مغربی عوام اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں، اسلام کا ہمدردانہ مطالعہ نہ کر سکیں اور یوں ان کے اسلام قبول کرنے کے مواقع کم ہو جائیں۔

2۔ مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدامات کے جواب میں اگر مسلمان ردعمل کا شکار ہو کر مشتعل ہو جائیں تو انہیں انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دیا جائے اور ان پر معاشی پابندیاں

لگا کر ان کی اقتصادی حالت کو تباہ کیا جاسکے اور ان پر حملے کر کے ان کا سارا ترقیاتی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے تاکہ وہ ترقی کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں اور اپنی اقدار کے مطابق زندگی نہ گزار سکیں اور مغرب کو ایسے پُر امن اقدامات (مثلاً تعلیم و میڈیا کے ذریعے) کا مزید موقع مل جائے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کی ذہن سازی کر سکے اور ان کے دل و دماغ فتح کر سکے تاکہ مسلمان مغربی فکر وتہذیب کے شائق و پرستار بن جائیں اور فکری و عملی لحاظ سے مغرب کے غلام بنے رہیں اور اسلام کی طرف لوٹنے کے خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔

اہل مغرب کے مقاصد کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی طریق کار کو بھی سمجھنا چاہیے تاکہ ہم ان کا مؤثر تدارک کر سکیں۔ اس حوالے سے دو باتیں اہم ہیں:

1۔ اہل مغرب کی دلیل یا ادعا یہ ہے کہ آزادئ اظہار رائے ہر آدمی کا بنیادی حق ہے لہٰذا ہمارا رویہ تو صحیح ہے اور غلط رویہ خود مسلمانوں کا ہے جو اختلاف رائے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے ان کا یہ موقف محض کٹ حجتی پر مبنی ہے اور دنیا بھر کے اہل علم و عقل جانتے اور مانتے ہیں کہ دوسرے تصورات کی طرح آزادی بھی کبھی لامحدود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ بعض قیود و استثناءات سے گھری ہوتی ہے (جیسا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہوتا ہے اور ٹریفک قوانین سے لے کر پارلیمنٹ میں اہم امور میں قانون سازی تک ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے) لہٰذا ایک آدمی کو ایسے اظہار کی آزادی کیسے دی جاسکتی ہے جس سے کروڑوں لوگوں کے دل دکھیں اور انہیں تکلیف پہنچے۔ لہٰذا اہل مغرب کا لامحدود اور مادر پدر آزادی کا تصور عقلی و منطقی لحاظ سے بھی غیر معقول ہے اور یہ کوئی جینوئن 'حق' نہیں جس کی حمایت کی جائے۔

2۔ اہل مغرب کی تکنیک اور نفسیاتی حربہ یہ ہے کہ وہ ہمیں دوڑا دوڑا کر اور تھکا کر نڈھال کرنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس امت کی بقاء اور اتحاد کا ایک بڑا سبب محبت رسول ہے تو اب وہ وقفے وقفے سے توہین رسالت کرتا رہتا ہے تاکہ مسلمانوں کے اندر سے محبت رسول کا بخار بتدریج اتر جائے۔ پہلی دفعہ مسلم دنیا کا ردعمل بہت شدید تھا۔ سارے عالم اسلام میں ہنگامے ہوئے، متعلقہ ملکوں کے معاشی بائیکاٹ کی تحریک چلی اور بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ پھر دوسرے موقع پر کم شدید ردعمل ہوا مثلاً اس دفعہ دیکھئے تو تحریک کا زور صرف پاکستان میں ہے، بنگلہ

دیش دوسرا ملک ہے جس نے فیس بک پر پابندی لگائی۔ باقی مسلم ممالک سوئے پڑے ہیں۔ حکومتی سطح پر ردعمل بھی ڈھیلا ڈھالا اور برائے نام ہے۔ نہ اقوام متحدہ میں احتجاج ہوا، نہ او آئی سی کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ خود پاکستان کے اندر پچھلی دفعہ احتجاجی مظاہرے اور جلوس ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتے تھے اب سو دو سو افراد کی ریلیاں نکلتی ہیں۔ اس طرح کے واقعات اگر خدانخواستہ وقتاً فوقتاً جاری رہے تو ایک وقت آئے گا کہ یہ معمول بن جائیں گے اور ہمارا ردعمل بتدریج ختم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ بعض دینی رہنماؤں کے اخباری بیانات تک محدود رہ جائے گا۔

اہل مغرب کے ان مقاصد اور طریق کار کے جواب میں ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیے؟ چند تجاویز درج ذیل ہیں:

1۔ ابلاغی وفکری مزاحمت

مغرب کے اس طرح کے حملے کی بھرپور مزاحمت کی جائے خصوصاً الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر۔ بدقسمتی سے اس وقت حالت یہ ہے کہ مسلمان ابلاغ عامہ اور پروپیگنڈے کے میدان میں اہل مغرب سے بہت پیچھے ہیں۔ اول تو ان کے پاس طاقتور میڈیا نہیں اور جو برا بھلا ہے وہ زیادہ تر ان افراد کے ہاتھ میں ہے جو فکری اور تہذیبی طور پر مغرب سے مرعوب ومتاثر بلکہ ان کے نقال اور گماشتے ہیں ان سے کیا توقع کی جائے کہ وہ مغرب کا بھرپور جواب دیں گے اور دینی حمیت کا ثبوت دیں گے؟

دینی چینل اوّل تو ہیں نہیں اور جو ہیں وہ فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہیں۔ لہٰذا ایک ایسے چینل کی ضروت ہے جو اسلام کا ہو کسی خاص فرقے یا مسلک کا نہ ہو۔ بہرحال ضروت اس امر کی ہے کہ اس ضمن میں ہمارا رویہ جارحانہ ہو اور ہم حکمت وتدبر کے ساتھ ان کو منہ توڑ جواب دیں اور ان کے خبث باطن کو دنیا پر عیاں کریں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں تعلیم، معیشت، معاشرت، سیاست غرض سارے شعبہ ہائے حیات میں ان کی فکری اور تہذیبی مزاحمت کرنی چاہیے اور اس کا مؤثر اظہار بھی میڈیا کے ذریعے ہونا چاہیے۔

2۔ دعوت کے مواقع

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کے ابلاغی وعسکری حملوں کو وہاں کے سارے

عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے یہ بعض متعصب حکمرانوں، دانشوروں، صیہونیوں اور شدت پسند عیسائیوں کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور مغربی حملوں اور مسلم ممالک میں اس کے ردعمل کے نتیجے میں مغربی عوام میں حقائق جاننے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح، مصدقہ اور براہ راست (فرسٹ ہینڈ) معلومات حاصل کرنے کی ایک طلب ابھر آئی ہے۔ اب یہ مسلمان حکمرانوں، دانشوروں اور علماء کرام کا کام ہے کہ وہ ان کے سامنے اسلام کی اصل حقیقت اور اس کا اصل چہرہ خصوصاً قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی پاک ﷺ کی سیرت مؤثر انداز میں تحریر وتقریر کے ذریعے پیش کریں۔ اگر مسلمان دعوت کے اس سنہری موقع کو ضائع نہ کریں تو وہ مغربی عوام میں سے بہت سوں کے دل ودماغ جیت سکتے ہیں اور اس کے لیے توپ وتفنگ کی نہیں، حکمت وتدبر، خاموشی اور سمجھداری کے ساتھ پلاننگ اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔

3۔ معاشی بائیکاٹ

مادہ پرست مغرب اگر روحانی اقدار کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تو مادی مفادات اور اقدار کی تو اسے خوب سمجھ ہے لہٰذا اسے اسی اسلوب میں جواب دینا چاہیے جسے وہ سمجھ سکے۔ مسلمان اگرچہ معاشی لحاظ سے کمزور ہیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ بحیثیت امت متحد ہو جائیں اور اس ملک کا معاشی مقاطعہ کردیں اور متعلقہ ملک کے ساتھ برآمدی ودرآمدی تجارت ختم کردیں تو اس کا خاطر خواہ اثر پڑے گا لیکن یہ حربہ اسی وقت مؤثر ہوگا جب امت حقیقی طور پر متحد ہو اور جذبۂ شجاعت اور ایثار وقربانی سے کام لے اور دباؤ میں نہ آئے جیسا کہ شاہ فیصل مرحوم نے تیل کی برآمد پر پابندی لگا کر دکھادی تھی۔

4۔ بین الاقوامی قانون سازی

مسلم امت اگر متحد ہوجائے تو آسانی سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے ایسا ریزولیوشن منظور کروایا جاسکتا ہے کہ کسی بھی مذہب یا تہذیب کے ان رہنماؤں کی توہین جرم تصور ہوگی جنہیں کروڑوں افراد محترم ومقدس گردانتے ہیں۔ اس حوالے سے اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے چارٹر میں ترمیم بھی ہونی چاہیے اور اس اصول کی خلاف ورزی کو عالمی عدالت انصاف میں چیلنج کرنے کی راہ بھی ہموار ہونی چاہیے۔

5۔ فروغ اتحاد

مسلم دانشوروں، رہنماؤں اور علماء کرام کو اس طرح کے مواقع کو امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کا وسیلہ اور نادر موقع سمجھ کر استعمال کرنا چاہیے مسلمانوں میں باہم بہت سے اختلافات ہوسکتے ہیں اور ہیں لیکن نبی (مکرم) کی حرمت و تقدس کے حوالے سے ان میں بہرحال کوئی اختلاف نہیں اور آپ ؐ کی محبت سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے لہٰذا محبت رسول کو مسلمانوں میں بنائے اتحاد بنا کر اس اتحاد کو مزید مضبوط کرنے کیلئے اقدامات کرنے چاہئیں اور فرقہ وارانہ اختلافات، تعصّبات اور انتشار کو ہوا دینے والے اقدامات کے خلاف مؤثر لائحۂ عمل تیار کرنا چاہئے۔

6۔ مغربی فکر وتہذیب کا ردّ

مسلمانوں کا اس وقت حقیقی اور بڑا مسئلہ مغربی فکر سے مرعوبیت کے خاتمے اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات کا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حرمت رسول کی تحریک چلانے والے رہنما اور علماء کرام تدبر و حکمت سے اس تحریک کا رخ مغرب کی ملحدانہ فکر اور تہذیبی مظاہر سے تنفر کی طرف موڑ دیں مثلاً مغربی لباس کیوں پہنا جائے؟ سکول انگلش میڈیم کیوں ہوں؟ تعلیم مخلوط کیوں ہو؟ ...... وغیرہ۔ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں امریکہ ویورپ دشمنی کے جذبات میں خود بخود اضافہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہو بھی تو یہ کافی نہیں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں مغرب کی فکری و ذہنی غلامی سے نکلنا ہے۔ اگر ہم امریکہ کے خلاف سیاسی طور پر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہیں لیکن ہماری معیشت، معاشرت، تعلیم غرض ہر جگہ مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ ہو تو اس مردہ باد کے نعرے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے اس امر پر بہت سنجیدگی سے سوچا جائے کہ آج کے مسلمانوں خصوصاً پڑھے لکھے افراد کو مغرب کی فکری وتہذیبی غلامی سے نکالنے کے لئے اقدامات کی ضرورت ہے اور اس حوالے دینی عناصر کے لئے کام کا وسیع میدان موجود ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہونا چاہیے کہ مغربی فکر وتہذیب کو رد کر دیا جائے اور اس کی جگہ اسلامی اصول و اقدار کو فروغ دیا جائے۔

7۔ اسباب ضعف کا خاتمہ

اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہیے کہ آج ان کے پیغمبر کی

توہین اس لئے ہورہی ہے کہ وہ دنیا میں کمزور وناتواں ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ان کا کوئی وزن ان کی کوئی وقعت واہمیت نہیں ہے۔ اگر آج وہ تنکے کی طرح ہلکے نہ ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ ان کے پیغمبر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا احتساب کریں، اپنی کمزوریاں دور کریں اور اسباب ضعف کا خاتمہ کریں۔ اپنے دین سے محکم وابستگی اختیار کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام شریعت پر عمل کریں کہ یہی ان کے لیے منبع قوت ہے اور گہرے ایمان اور برتر اخلاق کے ساتھ ساتھ علم وتحقیق اور سائنس وٹیکنالوجی میں بھی متحد ہو کر آگے بڑھیں اور طاقتور بنیں تا کہ دنیا ان کی بھی قدر کرے اور ان رہنماؤں کی بھی جنہیں وہ مقدس سمجھتے اور محترم گردانتے ہیں۔

روزے کے چھ آداب

امام غزالیؒ

حقیقی روزے کیلئے، جو اعضا کو گناہوں سے روکتا ہے، چھ آداب ملحوظ رکھنا ضروری ہیں

1۔ نگاہ کا روزہ

پہلا ادب یہ ہے کہ نظر نیچی رکھو۔ جن چیزوں کی طرف نگاہ ڈالنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے ان کی طرف نگاہ نہ جانے دو۔ جن چیزوں کو دیکھنے سے دل بھٹکتا ہو اور اللہ کی یاد سے غفلت طاری ہوتی ہو ان کو نہ دیکھو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نظر ڈالنا (ایسی چیزوں پر جن سے اللہ نے روکا ہے) شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر کا بجھا ہوا تیر ہے۔ جو کوئی اللہ کے خوف سے نگاہِ بد سے رک جائے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان کی حلاوت کا مزا عطا کرے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں ایسی ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک جھوٹ، دوسری غیبت، تیسری چغلی، چوتھی جھوٹی قسم اور پانچویں شہوت کی نظر۔

2۔ زبان کا روزہ

دوسرا ادب یہ ہے کہ زبان سے بے ہودہ بات نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، چغلی نہ کھاؤ، فحش گفتگو نہ کرو، ظلم کی بات نہ کرو، جھگڑا نہ کرو، بات نہ کاٹو۔ زبان کا روزہ یہ ہے کہ خاموش

رہے‘ان گناہوں سے بچے‘اور اسے اللہ کی یاد اور تلاوت قرآن میں مشغول رکھے۔

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا کہ دو چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے: ایک غیبت‘ دوسرا جھوٹ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے بچاؤ کیلئے)۔تم میں سے کوئی روزے سے ہوتو نہ فحش بکے‘نہ بدکلامی اور فضول گوئی کرے‘ نہ چیخے چلائے اور اگر کوئی گالی دے یا لڑنے پر اتر آئے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا دن گزرنے کے ساتھ بھوک اور پیاس کی شدت سے ان کی حالت خراب ہوگئی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجا اور افطار کی اجازت طلب کی۔آپؐ نے اس آدمی کو ایک پیالہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے کہنا کہ جو کچھ تم نے کھایا ہے اس پیالے میں قے کردو۔ایک عورت نے قے کی تو آدھا پیالہ تازہ گوشت اور خون سے بھر گیا دوسری نے قے کی تو پیالہ پورا بھر گیا۔لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں نے اس غذا سے روزہ رکھا جو اللہ نے حلال کی ہے اور جو چیز اللہ نے حرام کی ہے اسے کھاتی رہیں۔ایک دوسرے کے پاس بیٹھیں تو دونوں نے لوگوں کی غیبت شروع کردی دونوں نے لوگوں کا جو گوشت کھایا تھا وہی گوشت پیالے میں ہے۔

3۔ کان کا روزہ

تیسرا ادب یہ ہے کہ کانوں کو بری بات سننے سے روکو۔ اس لئے کہ جن باتوں کا زبان سے کہنا حرام ہے‘ ان کا سننا بھی حرام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کانوں سے جھوٹ سننے والوں اور حرام کا مال کھانے والوں کا ذکر ساتھ ساتھ فرمایا ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدۃ۔42) یہ کان لگا کر جھوٹ سننے والے حرام کا مال کھانے والے۔ اسی طرح اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِھِمُ السُّحْتَ (المائدۃ۔63) ”کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے۔

غیبت سننا اور خاموش رہنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر تو تم بھی انہی کی طرح ہوئے۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا‘ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں برابر کے

شریک ہیں۔

4۔ اعضا کا روزہ

چوتھا ادب یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کو گناہوں سے روکو' اور افطار کے وقت ایسے کھانے سے بچو جس کے بارے میں حرام ہونے کا شبہ بھی ہو۔ اگر دن بھر تو وہ کھانا بھی نہ کھاؤ جو حلال ہے' اور افطار حرام کھانے سے کرو' تو کیا روزہ ہوا؟ ایسے روزہ دار کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص محل تعمیر کرے' مگر پورے شہر کو منہدم کردے۔ اگر ضرورت سے زیادہ کھایا جائے تو حلال کھانا بھی روح کے لئے مضر ہوتا ہے۔ اسی لئے روزہ کھانا کم کرنے کی تربیت کرتا ہے۔ وہ بھی بے وقوف ہوگا جو دوا تو زیادہ نہ کھائے کہ ضرر سے بچے لیکن زہر کھالے۔ حرام کھانا زہر ہے جو دین کو برباد کرتا ہے' حلال کھانا ایک دوا کی طرح ہے جس کا کم کھانا مفید ہے اور زیادہ کھانا مضر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ بعض کہتے ہیں یہ وہ روزہ دار ہے جو حرام کھانے سے روزہ افطار کرتا ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو روزے کے دوران طعام حلال سے تو رُکا رہے' لیکن لوگوں کا گوشت کھاتا رہے' یعنی غیبت کرتا رہے جو حرام ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے اعضاء کو گناہ سے نہ بچائے۔

5۔ رزق حلال

پانچواں ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی کم ہی کھاؤ۔ اتنا نہ کھاؤ کہ پیٹ پھول جائے۔ اس لئے کہ اللہ کے نزدیک حلق تک بھرے ہوئے پیٹ سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں' اگرچہ کھانا حلال ہو۔ شیطان پر غالب آنے اور شہوت کا زور توڑنے میں روزے سے کیا مدد ملے گی' اگر روزہ دار افطار کے وقت دن بھر کی بھوک پیاس کی تلافی کردے اور ایک وقت میں اتنا کھالے جتنا دن بھر میں کھاتا تھا۔ افطار کے وقت کھانے کی انواع واقسام زیادہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ رمضان کے دنوں میں اچھے اور نفیس کھانے اتنے زیادہ کھا جاتے ہیں اور دنوں میں کئی مہینے بھی نہیں کھائے جاتے۔

ظاہر ہے روزے کا مقصود تو خالی پیٹ رہنا اور خواہش نفس کو قابو میں رکھنا ہے تا کہ نفس

میں تقویٰ پیدا ہو۔ اب اگر کوئی صبح سے شام تک تو معدہ خالی رکھے' پھر لذیز کھانے سے خوب پیٹ بھرلے' تو نفس کی خواہشات اور لذتیں دوبالا ہو جائیں گی اور ایسی خواہشات بھی بیدار ہو جائیں گی جو روزہ نہ رکھتا تو نہ ابھرتیں۔ بہتر یہ ہے کہ رات کو بھی اپنا پیٹ اتنا خالی رکھے کہ تہجد اور دیگر وظائف میں آسانی ہو شیطان دل کے پاس نہ آنے پائے' اور عالم ملکوت کے دیدار سے فیض یاب ہو سکے۔ اگرچہ صرف پیٹ کا خالی رکھنا بھی کافی نہ ہوگا' جب تک وہ اپنی فکر اور ارادہ کو اللہ کے علاوہ ہر مقصود سے خالی نہ کرے۔

6۔ خوف ورجا

چھٹا ادب یہ ہے کہ روزہ افطار کرنے کے بعد خوف ورجا کی کیفیت طاری ہو۔ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا روزہ قبول فرمائے گا اور اسے مقربین میں شامل کرے گا۔ ساتھ ہی ڈرے کہ شاید اس کا روزہ قبول نہ کیا جائے اور وہ اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر عبادت سے فارغ ہونے کے بعد یہی کیفیت ہونا چاہیئے۔

یہ روزے کے وہ چھ آداب ہیں جن کو ملحوظ رکھنے ہی سے روزہ حقیقی معنوں میں صحیح ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے روزہ ایک امانت ہے' ہر ایک کو اپنی امانت کی حفاظت کرنا چاہیئے۔ جب آپؐ نے یہ آیت فرمائی کہ ان اللہ یامرکم ان تودوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا النساء4-58) ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو'' تو اپنے دست مبارک کو اپنے کان اور آنکھ پر رکھا اور فرمایا کہ کان سے سننا اور آنکھ سے دیکھنا بھی امانت ہے''۔

مدیر کے نام

☆☆☆☆☆

محترم ومکرم انجینئر مختار فاروقی صاحب

السّلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج کے دور کے مسلمان بحیثیت مجموعی مغربی ترقی کے دلدادہ ہیں اور مغربی تہذیب جس کے انڈے گندے ہیں (بقول علامہ اقبال) کی اندھا دھند پیروی کر رہے ہیں ۔ افسوس کہ ہم بالعموم ایمان و اسلام کے تقاضوں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پاکیزہ ہدایات کو بھولتے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں فاورقی صاحب! آپ حکمت بالغہ کے مضامین کے ذریعے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلا کر بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

جولائی 2010ء کے شمارے میں آپ ایک کی ایک مفید اور اہم بلکہ آج کے حالات کے حوالے سے اہم ترین تحریر ''الحفظونَ لحدود الله '' کے مطالعہ کا موقع ملا۔ واقعتاً حدود اللہ کو وارثت کے احکام اور سزاؤں کے نظام تک محدود تصور کیا جاتا ہے جبکہ آپ کی تحریر سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کہ حدود اللہ کی اصطلاح ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے اور اس کا اطلاق انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر ہوتا ہے جنسی بے راہ روی سے شرح پیدائش میں کمی اور اس طرح سے قوموں کا مٹ جانا میرے علم میں اضافہ ہے قرآن حکیم میں فیملی لائف سے متعلق حدود اللہ کا بتکرار تذکرہ

اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے تنہائی کے لمحات میں بالخصوص حدود اللہ کی پاسداری ساتر لباس اور نظر کی حفاظت اہم ہدایات ہیں جو اس مضمون میں شامل کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں جلوت وخلوت میں اپنی حدود کی پاسداری کی توفیق بخشے اور آپ کی اس مفید کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے (آمین)

والسّلام

طالب دُعا: پروفیسر خلیل الرحمٰن

اقامتِ خلافت سے حفاظتِ حدود کی طرف

مقاصدِ قیامِ نظامِ خلافت میں سے ایک مقصد حفاظتِ حدوداللہ بھی ہے اس کی تڑپ سے سینے کا خالی ہونا یقیناً بندہ مؤمن کے لئے باعث عار ہے۔

کسی چیز کو دیکھنے کے زاویے کے مختصر سے فرق سے بھی نہ صرف اس چیز کی اہمیت بلکہ بسا اوقات ماہیت بھی بدل جاتی ہے یہی کچھ حدوداللہ کی اصطلاح کے ساتھ ہم نے کیا ہے...... کم ازکم میں نے تو جب بھی حدوداللہ کی حفاظت کا تصور باندھا ایک دو سر اور دو چار ہاتھ تو اڑتے ہی دیکھے (واضح رہے کہ ہم نہ تو حدود وتعزیرات کے منکر ہیں اور نہ اُن کی توہین مقصود ہے بلکہ حدوداللہ کے محدود تصور کی طرف اشارہ مقصود ہے) لیکن اب جو نگاہوں نے پلٹ کر اپنا اور اپنے 'اسرے' کا جائزہ لیا تو خود کو ''کراع یرعیٰ حول الحمی ''(اس چرواہے کی طرح جو اپنے ریوڑ کو بادشاہ کی مخصوص چراگاہ (حدوداللہ) کے پاس چرا رہا ہو) پایا اور کیفیت یہی کہ ''یوشك ان یقع فیه ''(قریب ہے کہ اللہ کی حدود کو پامال کر گزرے، حدیث رسول ﷺ) اگر چہ اپنے متعلق ہمارا یہ تبصرہ حد درجہ مبنی براحتیاط ہے کیونکہ 'احتیاط' اسی میں ہے۔

فاروقی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر کثیر دے کہ اُن کے مضمون نے توجیہات و ترجیحات کا رخ اقامتِ خلافت سے حفاظتِ حدود کی طرف موڑ دیا۔ اگر چہ اصل منزل تو اوّل الذکر ہی ہے لیکن ثانی الذکر کے اہتمام کے بغیر اس کا حصول نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب۔ حدوداللہ کا یہ جو تصور دیا گیا جو ہماری ذاتی ونجی زندگی سے متعلق ہے اس لحاظ سے مزید اہمیت اختیار کرتا ہے کہ 'حدوداللہ کا قیام وانہدام' انہیں (نجی زندگی کی) حدود کی حفاظت وضیاع سے براہ

راست منسلک ہے مثلاً مضمون ہذا میں دی گئی مثال پر جواز دواجی زندگی کے بارے میں قرآنی ہدایات پر مشتمل ہے غور فرمائیے کہ ہر شام ابلیس لعین اپنے جس ''سیکرٹ ایجنٹ'' کو گلے لگاتا ہے وہ انہی حدود کو پامال کروانے کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ حدیث مبارکہ پیش نظر رہے کہ جس کا مفہوم یوں ہے کہ نکاح کی قلت سفاح کی کثرت پر منتج ہوتی ہے۔

نکاح کے ادارے کا استحکام حدود اللہ کے تحفظ ہی سے ممکن ہے اور اس تحفظ کی اہمیت ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن نے خلع وتسریح کو اسی حفاظت سے مشروط فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا ''ان یخافا الا یقیما حدود الله ''اور رجوع کو بھی اسی سے مشروط کیا اور بارگاہ حق سے ارشاد ہوا''ان ظنا ان یقیما حدود الله'' لیکن افسوس ہمارے ''تسریح ورجوع'' کے پیمانے کچھ اور ہی ہیں اور اس سے پھیلتا ہوا فساد اب بچشم سر دیکھا جا سکتا ہے۔''اِن حدود اللہ'' کا تعلق ''اُن حدود اللہ'' سے قرآن مجید میں دیکھنا ہو تو سورۃ بنی اسرائیل کے چوتھے رکوع کو دیکھا جائے تا کہ معلوم ہو کہ کس طرح ''قتل اولاد'' (اور اس کے جدید ذرائع) ترویج زنا اور بالآخر قتل نفس پر منتج ہوتے ہیں۔

محترم فاروقی صاحب نے کئی غیر فطری طریقوں کی طرف نہ صرف اشارہ کیا بلکہ ان کی مذمت بھی فرمائی لیکن اس قدر عمدہ اسلوب اور پیرائے میں کہ ان اعمال بد کی صرف تنقیص ہی ہوئی ہے تعریف وتبلیغ ہرگز نہیں ہوئی ورنہ ہمارے میڈیا کی غیر ذمہ داری دیکھئے کہ برے سے برے جرم کی خبر بھی یوں لگائی جاتی ہے کہ پڑھنے والا نہ صرف یہ کہ 'بدمزہ' نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات سینوں سے حسرت بھری آہ بھی نکل جاتی ہے۔ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ گھریلو زندگی کے بارے میں نبوی تعلیمات کو مزید عام کیا جائے تا کہ حفاظت حدود میں بہتری لائی جا سکے۔فاروقی صاحب کا یہ مضمون ایک ''صلائے عام'' کے ساتھ ''صلائے اہم'' بھی ہے، لکھنے والوں کو اس میدان میں آنا چاہیے۔خدا ''حکمت بالغه '' کو قائم وآباد رکھے اور اس کو 'تغن النذر' کا مصداق بنائے۔ہمیں ڈر ہے کہ اگر حکمةٌ بالغة کے 'نُذر و مزدجر' کو خاطر میں نہ لایا گیا تو خاکم بدہن ہمارا معاشرہ 'جرادٌ منتشر '' کی طرف تو بڑھ ہی رہا ہے کہیں ''هشیم المحتظر'' کا منظر نہ دیکھنا پڑ جائے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

(جمیل عباسی) اسلام آباد

قرآن اکیڈمی جھنگ میں ایک پروقار تقریب

حرمتِ رسول ﷺ سیمینار

عالمی سطح پر توہین رسالت ﷺ اور فیس بک پر گستاخانہ خاکوں کے خلاف رائے عامہ تک موثر آواز پہنچانے کے لئے تنظیم اسلامی حلقہ وسطی پنجاب نے اس تلخ اور حساس موضوع پر ''حرمت رسول ﷺ سیمینار'' کا انعقاد 7 جولائی 5 بجے شام قرآن اکیڈمی جھنگ صدر میں کیا۔ حافظ محمد عمران کی پر اثر تلاوت کلام پاک اور محمد ذیشان کی نعت رسول مقبول ﷺ سے پروگرام کا آغاز ہوا، جمعیت علماء پاکستان جھنگ کے صدر مولانا محمد انور چیمہ قادری نے حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت ومقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ نے بعثت سے قبل عین جوانی میں نہی عن المنکر کی جماعت (حلف الفضول) قائم کی۔ انہوں نے فرمایا کہ آج یہ وقت کیوں دیکھنا پڑ رہا ہے کہ اسلام کے نام پر قائم وطن میں بھی نبی کریم ﷺ کی عزت وحرمت محفوظ نہیں ہے۔ صرف نظام مصطفیٰ ﷺ ہمارے جزوی اور کلی مسائل کا حل پیش کرتا ہے جس کے لئے ہمیں کمر بستہ ہو جانا چاہیے اور اپنے اختلافات کو ختم کرنا چاہئے۔

جماعت اسلامی کے رہنما اور غزالی ایجوکیشن سسٹم کے ڈائریکٹر جناب گوہر صدیقی نے فرمایا اسلام دشمن عناصر نے چال چلی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے رحمتِ عالم ﷺ کی عظمت و احترام ختم کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کی اس سازش پر جتنا احتجاج کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے

فرمایا کہ ہمیں پہلے درجے میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا ہار اپنے گلے میں ڈالنا چاہئے اور دوسرے درجے میں امریکہ کی غلامی سے انکار کرتے ہوئے کلمہ کے نام پر قائم اس ملک میں محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام نافذ کرنے کی جدوجہد تیز کر دینی چاہئے۔

دارالاحسان مرکز جھنگ کے انچارج مشہور دانشور اور صحافی محمد صدیق صادق نے فرمایا کہ گستاخانہ خاکوں اور دیگر عالمی سازشوں کے باوجود الحمدللہ اسلام کی قبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ 9/11 اور 7/7 کے بعد اسلام اور قرآن کا مطالعہ کرنے والے غیر مسلموں کے قبولِ اسلام سے اس شر سے خیر کثیر کی بھی امید ہے اور غلبہ اسلام کی نوید دکھائی دیتی ہے۔ ہمیں ایسے واقعات سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ موثر جواب دیتے ہوئے اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا چاہئے اور اپنی کاوشوں کو حالات کے تقاضوں کے مطابق موثر بنانا چاہیے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جھنگ کے رہنما محمد زاہد سعید بھٹہ ایڈووکیٹ نے فرمایا کہ ہمیں ایسی تمام اشیاء کا بائیکاٹ کرنا چاہئے جو گستاخ ممالک سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتی ہیں انہوں نے وکلاء برادری کے گستاخانہ خاکوں کے خلاف مثالی کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم قانونی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے چیف جسٹس کے اس فیصلے کے مطابق کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ہر گستاخِ رسول ﷺ کے خلاف 295-C کا مقدمہ دائر کر سکتا ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں ایسے گستاخ کو انٹرپول کے ذریعے سزا دلوائی جائے۔ انہوں نے محترم انجینئر مختار فاروقی کو جھنگ میں پڑھے لکھے طبقے میں حرمت رسول ﷺ کو موثر انداز میں پھیلانے اور اس بارے میں ہر ممکن تعاون کرنے پر خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ وکلاء کی تحریک عدلیہ کی بحالی کے لئے دنیاوی مقاصد کے لئے تھی اور ہماری تحریک اخروی مقاصد کے لئے پرامن احتجاج پر ہوگی اس پر سوچنے اور عملی قدم اٹھانے والوں کو ہزاروں درجے عبادت کا اجر ملے گا۔

ماہر تعلیم اور شعبہ اسلامیات کے صدر پروفیسر عبدالعزیز سلیانہ نے فرمایا کہ مسلمان ڈیڑھ ارب کی تعداد میں ہیں اس کے باوجود ہمیں اتنی جرات نہیں ہوسکی کہ فیس بک اور گستاخانہ خاکوں کے خلاف کوئی موثر کاروائی کر سکیں، اگر ہم حرمت رسول ﷺ کے لئے اپنا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں تو ملٹی نیشنل کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مشروبات اور ضروریات زندگی میں دیگر پاکستانی اشیاء

استعمال کریں ہمیں اپنی سوئی ہوئی غیرت کو جگانا ہے اور اپنی ایمانی قوت کو مضبوط ترین بنانا ہے اگر ہم آپ ﷺ کی شفاعت کے حقدار بننا چاہتے ہیں۔

تنظیم الاخوان اویسیہ کے رائے اعجاز بھٹی ایڈووکیٹ نے فرمایا اس دور کا سب سے بڑا حرام 'سود' ہے جو ہمیں بے غیرت اور بے حس کر رہا ہے۔ ہمیں اس حرام خوری اور بے حیائی سے دور رہنا چاہیئے، یہود نے یہ حرکات کر کے مسلمانوں کو جگا دیا ہے آج ایک بار پھر ترکی کے نوجوانوں میں اسلامی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اس دور کا خیبر اسرائیل ہے اور شرک کا گڑھ بھارت جن دونوں کو فتح کرنا ہے تو ہمارا واحد ایجنڈا احیائے خلافت ہونا چاہیئے۔ ہم غزوہ ہند کے لئے خود کو تیار کریں ہماری بے حسی سے دشمن فائدہ اٹھا رہا ہے انہوں نے امریکہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے بارے صیہونی سازشوں کا ذکر بھی کیا۔ آخر میں امیر حلقہ پنجاب وسطی تنظیم اسلامی اور صدر انجمن انجینئر مختار فاروقی صاحب نے سیمینار کی تمام تقاریر کا حاصل پیش کیا کہ یہی نفاذ اسلام ——— توہین رسالت ﷺ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا واحد حل ہے۔ جس کی ابتداء ہمیں اپنے گھر، ادارہ، برادری، شہر سے کرنی چاہیئے۔ محض نعروں، مظاہروں، توڑ پھوڑ سے مسائل کا حل ممکن نہیں ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ گستاخان رسول ﷺ کو واقعتاً سزا ملے تو ہمیں ایسی فضا پیدا کرنی چاہیئے جس سے ایک بار پھر غازی علم الدین اور غازی عامر چیمہ پیدا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جلد ہی اس سلسلہ میں موثر طبقہ میں حرمت رسول ﷺ کو مزید احسن انداز میں پیش کرنے کے لئے اجلاس بلا کر پیش رفت کریں گے۔ اس سلسلہ میں شرکاء سے تعاون کی اپیل ہے۔

اس موقع پر آپ کا ایک مضمون ''وھن توہین رسالت ﷺ، کرنے کا اصل کام'' بھی تقسیم کیا گیا۔

سیمینار کے اختتام پر نماز مغرب ادا کی گئی اور احباب و رفقاء کی مشروب سے تواضع کی گئی۔

اعتذار

ہمیں اپنی اس غلطی کوتسلیم کرنے میں کو باک نہیں ہے کہ ماہ فروری 10ء کے شمارے میں جہاں حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ کے حالات شائع ہوئے ہیں اس سیمینار کے موقع پر جب دعوت نامے جاری کئے گئے تھے تو اس میں حضرت مولانا محمد انور چیمہ صاحب کا اسم گرامی شامل تھا اسی بنا پر ہم سے سہواً مذکورہ سیمینار کے مقررین کے ناموں میں بھی ان کا نام شامل ہو گیا ہے۔ جھنگ سے ہی ہمارے معزز قاری مفتی ابوالطاہر محمد عجیب قادری صاحب نے ایک طویل خط میں ہماری اس غلطی پر توجہ دلائی ہے،ہم مفتی صاحب کے شکرگزار ہیں اوراس غلطی پر اللہ سے بھی معافی کے خواستگار ہیں اوران معزز قارئین سے بھی جنہیں اس سلسلے میں کوفت اٹھانی پڑی (ادارہ)